الرسالہ

ISSN 0970-180X

زیر سرپرستی
مولانا وحید الدین خان
صدر اسلامی مرکز

چُپ رہنا سنجیدگی کی علامت ہے
اور زیادہ بولنا بے حسی کی علامت

MAKTABA AL-RISALA
1439 OCEAN AVE. # 4C
BROOKLYN, N.Y. 11230
TEL: (718) 258-3435

نومبر ۱۹۹۱ ▫ شمارہ ۱۸۰ ▫ ۵ روپیہ

تذکیر القرآن

جلد اوّل : سورۃ فاتحہ ـ سورۃ بنی اسرائیل
جلد دوم : سورۃ الکہف ـ سورۃ الناس

قرآن کی بے شمار تفسیریں ہر زبان میں لکھی گئی ہیں۔ مگر تذکیر القرآن اپنی نوعیت کی پہلی تفسیر ہے۔ تذکیر القرآن میں قرآن کے اساسی مضمون اور اس کے بنیادی مقصد کو مرکز توجہ بنایا گیا ہے۔ جزئی مسائل اور معلوماتی تفصیلات کو چھوڑتے ہوئے اس میں قرآن کے اصل پیغام کو کھولا گیا ہے اور عصری اسلوب میں اس کے دعوتی اور تذکیری پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔ تذکیر القرآن عوام و خواص دونوں کے لیے یکساں طور پر مفید ہے۔ وہ طالبینِ قرآن کے لیے فہمِ قرآن کی کنجی ہے۔

مکتبہ الرسالہ، نئی دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الرسالہ

اردو، ہندی اور انگریزی میں شائع ہونے والا
اسلامی مرکز کا ترجمان

نومبر ۱۹۹۱ ، شمارہ ۱۸۰

AL-RISALA (Urdu) Monthly
The Islamic Centre, C-29 Nizamuddin West, New Delhi 110013, India
Telephone: 611128, 697333 □ Telex: 031-61758 FLSH IN ATT IC
Fax: 91-11-353318, 3312601
Annual Subscription: Inland Rs. 60 □ Abroad US $ 25 (Air Mail)

مخلصانہ ایمان

عن زید بن اَرقم رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، من قال لا الٰہ إلا اللہ مخلصا دخل الجنۃ۔ قیل وما اخلاصھا۔ قال أن تحجزہ عن محارم اللہ (الترغیب والترھیب)

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص اخلاص کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ کہے وہ جنّت میں جائے گا۔ کہا گیا کہ اس کا اخلاص کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ کہ یہ کلمہ اس کو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے روک دے۔

اخلاص اسی کیفیت کے لیے ایک دینی لفظ ہے جس کو نفسیات کی اصطلاح میں سنجیدگی کہا جاتا ہے۔ جو آدمی اس حقیقت کو جان لے کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور وہ فی الواقع پوری سنجیدگی کے ساتھ اس کا اقرار کرے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی زندگی اور اس کے قول وعمل میں اس کا اظہار ہونے لگے گا۔ سنجیدہ قول اور اس کے عملی اختیار میں کوئی فرق نہیں۔

ایک شخص جب یہ کہتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، تو وہ حقیقۃً اپنی اس دریافت کو بیان کرتا ہے کہ اس کائنات میں ساری عظمتیں صرف ایک اللہ کو حاصل ہیں۔ اللہ کو اس کی تمام شان عظمت کے ساتھ جان لینے کے بعد آدمی کے اندر جو کیفیت ابھرتی ہے اسی کا نام اخلاص ہے۔

آدمی جب اللہ کو اس کے جلال وکمال کے ساتھ دریافت کرتا ہے تو اسی کے ساتھ وہ اپنے عجز اور اپنے احتیاج کو بھی دریافت کر لیتا ہے۔ یہ دریافت اس کے اندر عبدیت کا جذبہ ابھارتی ہے۔ وہ خدا کی نعمتوں کو جان کر شکر وسپاس کی کیفیت سے سرشار ہو جاتا ہے۔ موت کے بعد خدا کے سامنے حاضری کا تصور اس کو اپنے قول وعمل کے بارہ میں آخری حد تک چوکنا بنا دیتا ہے۔ ان کیفیات کے مجموعہ کا نام اخلاص ہے، اور ان کے زیر اثر جو انسان بنتا ہے اسی کا نام مخلص انسان ہے۔

اس نوعیت کا اخلاص جب کسی آدمی کے اندر پیدا ہو تو اس کے لیے ناممکن ہو جاتا ہے کہ وہ خدا کے احکام کی خلاف ورزی کرے، وہ خدا کی منع کی ہوئی چیزوں کو اپنے لیے حلال کر لے۔

ایک سچے انسان کے لیے قول اور عمل میں کوئی فرق نہیں۔ جو شخص سچے دل سے اللہ کی معبودیت کا اقرار کرے گا، اس کے بعد ناممکن ہے کہ اس کا عمل اس کے اقرار کے تابع نہ ہو جائے۔

اسلامی مشورہ

قرآن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ معاملات میں مسلمانوں سے مشورہ لو (وشاورهم فی الامر، آل عمران ۱۵۹) دوسری جگہ عام مسلمانوں کے بارہ میں بتایا گیا ہے کہ وہ اپنا کام آپس کے مشورہ سے کرتے ہیں (وامرهم شوری بینهم، الشوریٰ ۳۸)

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ لوگوں سے مشورہ کرتا ہو (ما رأیت رجلاً اکثر استشارۃً للرجال من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، التفسیر المظہری)
اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ صحابہ کے بارہ میں بتاتے ہیں کہ میں نے کسی کو اصحاب رسول سے زیادہ مشورہ کرنے والا نہیں پایا (ما رأیت احداً اکثر مشاورۃ من اصحاب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، تفسیر الکشاف)

حسن بصریؒ کا قول ہے کہ جب بھی کوئی گروہ مشورہ سے کام کرتا ہے تو وہ ضرور صحیح ترین رائے تک پہنچ جاتا ہے (ما شاور قوم قط الا ھُدُوا لارشد امورھم، صفوۃ التفاسیر)

مشورہ کا مطلب یہ ہے کہ مختلف لوگوں کی معلومات اور ان کے تجربات کو حاصل کیا جائے اور پھر ان کی روشنی میں زیر بحث معاملہ کا فیصلہ کیا جائے۔ اگر مشورہ دینے والے سنجیدہ ہوں، اور مشورہ لینے والے حق پسند ہوں تو مشورہ اتنا مفید ثابت ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ مفید کوئی چیز نہیں۔ مشورہ امکانی نقصانات سے بچنے کا سب سے زیادہ یقینی ذریعہ ہے۔

مشورہ دینے والے کو چاہیے کہ جو کچھ بولے سوچ کر بولے، اور اپنی رائے پر کبھی اصرار نہ کرے۔ مشورہ لینے والے کو چاہیے کہ وہ کسی بات کو وقار کا مسئلہ نہ بنائے۔ اگر کوئی شخص اس کے خلاف بات کہے تب بھی اس کو خالی الذہن ہو کر سنے۔ حتی کہ کوئی شخص سخت انداز میں تنقید کرے، تب بھی اس کے الفاظ یا لہجہ کی سختی کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کی اصل رائے پر غور کرے۔

اگر مشورہ دینے والے اور مشورہ لینے والے دونوں مشورہ کے ان آداب کو سمجھیں اور ان کو پوری طرح ملحوظ رکھیں تو ہر مشورہ لازمی طور پر مفید ثابت ہوگا اور صحیح فیصلہ تک پہنچانے والا بن جائے گا، فرد یا ادارہ کے معاملہ میں بھی اور پوری قوم کے معاملہ میں بھی۔

مشورہ ایک اسلامی طریقہ ہے۔ مشورہ کامیابیوں کا زینہ ہے۔

سادہ پہچان

عن انس بن مالك، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا یؤمن احدکم حتی یحب لأخیہ ما یحب لنفسہ (رواہ البخاری ومسلم)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کا یہ حال نہ ہو جائے کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو دوسرے انسانوں کے لیے کیسا ہونا چاہیے، اس حدیث میں اس کی نہایت سادہ پہچان بتائی گئی ہے۔ وہ پہچان یہ ہے کہ وہ دوسرے انسانوں کے لیے بھی وہی پسند کرنے لگے جو وہ خود اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

کسی آدمی کے ساتھ بدزبانی کی جائے تو اس کو برا لگے گا اور اگر اس کے ساتھ نرم بول بولے جائیں تو اس کو اچھا معلوم ہوگا۔ اسی ذاتی تجربہ کے مطابق وہ دوسروں پر بھی عمل کرے۔ وہ دوسروں کے ساتھ تلخ کلامی نہ کرے، وہ ہمیشہ ان کے ساتھ نرم انداز میں بات کرے۔

کسی کو اس کا جائز حق نہ دیا جائے تو وہ اس کو سخت ناپسند کرے گا۔ آدمی یہی معاملہ دوسروں کے ساتھ کرنے لگے۔ اس کے اوپر دوسروں کا جو حق ہے اس کو وہ ادا کرے، وہ دوسروں کی حق تلفی سے آخری حد تک اپنے آپ کو بچائے۔

کسی کے ساتھ وعدہ کیا جائے اور پھر اس کو پورا نہ کیا جائے تو اس کو بے حد تکلیف پہنچے گی۔ آدمی اسی سے دوسروں کے بارہ میں سبق لے لے۔ وہ کسی سے وعدہ کرے تو ضرور اس کو پورا کرے، وہ کسی کے ساتھ وعدہ خلافی کا سلوک نہ کرے۔

کسی کو نقصان پہنچایا جائے تو اس کو فوراً غصہ آجاتا ہے۔ اس ذاتی تجربہ سے وہ دوسروں کے بارہ میں جان لے۔ وہ کبھی دوسروں کو نقصان پہنچنے نہ دے، وہ ہمیشہ یہ کوشش کرے کہ اس کی ذات دوسروں کے لیے نفع بخش ثابت ہو۔

مومن ایک حساس انسان ہوتا ہے۔ اس کی حساسیت اس کو مجبور کرتی ہے کہ وہ دوسروں کے حق میں ویسا ہی بنے جیسا وہ دوسروں کو اپنے حق میں دیکھنا چاہتا ہے۔

دو طریقے

عن عبدِ اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لایُؤمنُ أحدُکم حتیٰ یکونَ ھواہُ تبعًا لِما جئتُ بہ (مشکاۃ المصابیح ۱/۵۹)

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ اس کی خواہش اس چیز کے تابع ہوجائے جو میں لایا ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں عمل کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک ہے ھویٰ (اپنی خواہش) پر عمل کرنا، اور دوسرا ہے ماجاء بہ الرسول (پیغمبر کے لائے ہوئے دین) پر عمل کرنا۔

آپ کے سامنے ایک حق آیا۔ آپ کے دل نے گواہی دی کہ یہ حق ہے۔ مگر اسی کے ساتھ شعوری یا غیر شعوری طور پر، یہ احساس پیدا ہوا کہ اگر میں اس حق کا اعتراف کرلوں تو میرا درجہ نیچا ہوجائے گا۔ اب اگر آپ نے حق کو مان لیا تو آپ نے ماجاء بہ الرسول پر عمل کیا اور اگر آپ نے حق کا انکار کیا تو آپ نے اپنی ھویٰ کی پیروی کی۔

ایک شخص نے آپ کے اوپر تنقید کی۔ اس سے آپ کی انا کو چوٹ لگی۔ آپ برہم ہوگئے۔ اسی کے ساتھ رسولؐ کی لائی ہوئی شریعت کا یہ حکم آپ کے سامنے آیا کہ متکبر نہ بنو بلکہ متواضع بن کر لوگوں کے درمیان رہو۔ اب اگر آپ نے تنقید کے جواب میں تواضع کا انداز اختیار کیا تو آپ نے ماجاء بہ الرسول پر عمل کیا اور اگر آپ نے تنقید کے جواب میں گھمنڈ کا انداز اختیار کیا تو آپ نے ھویٰ کی پیروی کی۔

ایک شخص کے کسی رویہ سے آپ کو شکایت پیدا ہوئی۔ آپ مشتعل ہوگئے۔ اس وقت آپ کے سامنے شریعت کا یہ حکم آیا کہ لوگ اشتعال انگیزی کریں تب بھی تم صبر اور اعراض کا طریقہ اختیار کرو۔ اب اگر آپ نے اشتعال کے باوجود صبر کیا تو آپ نے ماجاء بہ الرسول پر عمل کیا۔ اور اگر آپ مشتعل ہوکر فریق ثانی سے لڑنے لگے تو آپ نے ھویٰ کی پیروی کی۔

یہی معاملہ پوری زندگی کا ہے۔ ہر معاملہ جو آدمی کے ساتھ پیش آتا ہے، اس میں اس کے لیے دو میں سے ایک رویہ اختیار کرنے کا موقع ہوتا ہے۔ ایک رویہ اختیار کرنے کے بعد وہ خدا کے یہاں مومن لکھ دیا جاتا ہے اور دوسرا رویہ اختیار کرنے کے بعد غیر مومن۔

انوکھی صفت

قرآن میں نہایت تفصیل کے ساتھ جنت کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان سب کا خلاصہ اس مختصر آیت میں ہے کہ جنت میں وہ تمام چیزیں ہوں گی جن کو آدمی کا جی چاہے گا اور جن سے اس کی آنکھوں کو لذت حاصل ہوگی (وفیہا ما تشتھیہ الانفس وتلذ الاعین) الزخرف ۷۱

انسان ساری معلوم کائنات میں ایک انوکھی مخلوق ہے جو لذت پسند ہے، جو لذت کا ادراک کر سکتا ہے۔ اس عجیب انسان کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ عجیب تر امکان کھولا کہ اس کے لیے اعلیٰ ترین لذتوں سے بھری ہوئی ایک جنت بنا دی جہاں وہ ابدی طور پر رہ سکے۔

لذت (pleasure) کی تخلیق بلاشبہ خالق کا ایک حیرت ناک تخلیقی کرشمہ ہے۔ ایک انجینئر خدا کی دی ہوئی عقل اور خدا کی دی ہوئی چیزوں کو کام میں لا کر مشینی انسان (robot) بناتا ہے۔ وہ سارے انسانی کام کرتا ہے۔ مگر کسی مشینی انسان کے اندر احساسِ لذت نہیں۔ کوئی مشین کسی بھی چیز سے محظوظ ہونا نہیں جانتی۔ یہ صرف انسان ہے جو لذت کا ادراک کرتا ہے۔ جو اپنی پسندیدہ چیزوں سے محظوظ ہو سکتا ہے۔

لذت سے مراد کوئی محدود چیز نہیں۔ یہ ایک نہایت وسیع بلکہ لامحدود معنویت رکھنے والا لفظ ہے۔ انسان صرف کھانے پینے جیسی لذتوں ہی سے محظوظ نہیں ہوتا بلکہ ہر معیاری چیز میں اس کے لیے لذت ہے۔ مثلاً ایک کمپیوٹر سو ہزار سوال کا نہایت صحیح جواب دے گا۔ لیکن وہ اپنے اس فعل پر خوش ہونا نہیں جانتا۔ مگر انسان جب ایک نفیس کام کرتا ہے۔ جب وہ ایک مسئلہ کا نہایت عمدہ جواب دیتا ہے تو اس کی روح کو بے پناہ خوشی حاصل ہوتی ہے۔ یہی دوسرے تمام افعال کا معاملہ ہے۔

جنت میں ہر چیز اپنے آخری معیارِ کمال پر ہوگی۔ جنت میں جو آدمی داخل کیا جائے گا وہ بھی کامل شخصیت میں ڈھال کر داخل کیا جائے گا۔ اس لیے جنت کا ہر فعل انتہائی حد تک پُر لذت بن جائے گا۔ وہاں بولنا، چھونا، دیکھنا، سننا، اٹھنا، بیٹھنا اور چلنا پھرنا ہر فعل اپنے اندر لذتوں کا لامحدود سامان لیے ہوئے ہوگا۔

فہرستِ آرزو

کلیری سمپسن (Cleary Simpson) امریکہ کی ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون ہیں۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد وہ مختلف قسم کے وقتی جاب کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ ان کی تمناؤں کے مطابق، ان کو امریکہ کے ٹائم میگزین میں اپنی پسند کا کام مل گیا۔ اس وقت وہ ٹائم کے نیویارک کے دفتر میں ڈائرکٹر (Advertising Sales Director) ہیں۔

ٹائم کے شمارہ ۵ اگست ۱۹۹۱ (صفحہ ۴) میں مذکورہ خاتون کا ہنستا ہوا پُر ابتہاج فوٹو چھپا ہے۔ وہ اس عہدہ کے ملنے پر انتہائی خوش ہیں۔ تصویر کے نیچے ان کا پُرمسرت تاثر ان لفظوں میں درج ہے ـــــ ٹائم کے لیے کام کرنا ہمیشہ سے میری فہرست آرزو پر تھا :

Working for *Time* was always on my wish list.

ہر آدمی کسی چیز کو سب سے بڑی چیز سمجھتا ہے۔ وہ اس کی تمنا میں جیتا ہے۔ وہ اس کا خواب دیکھتا ہے۔ اس کے صبح و شام اس کی یادوں میں گزرتے ہیں۔ وہ اس انتظار میں رہتا ہے کہ کب وہ دن آئے جب کہ وہ اپنی اس محبوب چیز کو پالے۔ یہ چیز اس کی فہرستِ آرزو میں سب سے زیادہ اہمیت کے ساتھ درج ہوتی ہے۔ موجودہ دنیا میں کوئی بھی ایسا آدمی نہیں جس کے لیے کوئی نہ کوئی چیز اس طرح مرکز تمنا بنی ہوئی نہ ہو۔

مومن وہ ہے جس نے جنّت کو اپنی فہرستِ آرزو (وِش لسٹ) میں لکھ رکھا ہو۔ ابدی اور معیاری نعمتوں کی وہ دنیا جہاں وہ اپنے رب کو دیکھے گا۔ جہاں سچے انسانوں سے اس کی ملاقات ہوگی۔ جہاں وہ خدا کی رحمتوں کے سایہ میں زندگی گزارے گا۔ وہ دنیا جو لغو اور تاثیم سے پاک ہوگی۔ جہاں صخب اور نصب کو ختم کر دیا جائے گا۔ جس کا ماحول چاروں طرف حمد اور سلامتی سے بھرا ہوا ہوگا۔ جہاں خوف اور حزن کو حذف کیا جا چکا ہوگا۔ جہاں ایسی آزادی ہوگی جس پر کوئی قید نہیں۔ جہاں ایسی لذتیں ہوں گی جن کے ساتھ محدودیت شامل نہیں۔

جب کسی شخص پر زندگی کی حقیقت کھلتی ہے تو وہ یہ بھی جان لیتا ہے کہ اس کے لیے سب سے بڑی چیز جنّت ہے۔ وہ جنّت کا حریص بن جاتا ہے۔ اور جنّت اسی کے لیے ہے جو حرص کے درجہ میں جنّت کا طلبگار بن گیا ہو۔

ایک اور آواز

جب ایک انسان بول رہا ہو اور آپ اس کی بات سن رہے ہوں تو یہ کوئی سادہ واقعہ نہیں ہوتا۔ یہ ایک انتہائی انوکھا واقعہ ہوتا ہے جو ہماری زمین پر پیش آتا ہے۔ ایک شخص کا بولنا اور دوسرے شخص کا سننا اپنے اندر اتنی زیادہ نشانیاں رکھتا ہے کہ آدمی اگر اس پر سوچے تو وہ حیرت کے سمندر میں غرق ہو جائے۔

ایسا عجیب واقعہ کیوں ہوتا ہے۔ یہ اس لیے ہوتا ہے تاکہ انسان ایک عظیم تر حقیقت کو محسوس کر سکے۔ وہ انسانی کلام کے ذریعہ خدائی کلام کو اپنے تصور میں لائے۔

جس طرح ایک انسان بولتا ہے اور آپ سنتے ہیں۔ اسی طرح خدا بھی بول رہا ہے۔ وہ بھی انسانوں سے ہم کلام ہے۔ جو شخص انسان کی بات سنے مگر وہ خدا کی بات نہ سنے وہ بہرا ہے۔ آدمی کو کان اس لیے دیئے گیے تھے کہ وہ خدا کی بات سننے والا بنے۔ مگر اس کا حال یہ ہوا کہ انسانوں کی بات اس کو سنائی دی، مگر خدا کی بات اس کو سنائی نہ دی۔ ایسا شخص یقیناً بہرا ہے، اس کے بہرا ہونے میں کوئی شک نہیں۔ خواہ بظاہر وہ کان والا کیوں نہ دکھائی دیتا ہو۔

انسان کی ہر چیز خدا کے لیے ہے۔ اس کو کان اس لیے دیئے گیے تھے کہ وہ خدا کی بات سنے۔ کان کے اندر دوسری آوازوں کو سننے کی صلاحیت صرف اس لیے دی گئی تھی کہ اس کو قریبی تجربہ سے معلوم ہو جائے کہ وہ "سننے" کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مگر جو چیز صرف ابتدائی تجربہ کے لیے تھی۔ اسی کو اس نے آخری تجربہ سمجھ لیا۔ وہ راستہ میں اٹک کر رہ گیا، وہ اصل منزل تک نہیں پہونچا۔

انسان کی بات کو سننا اور خدا کی بات کو نہ سننا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص پھل کا چھلکا کھائے اور اس کا مغز پھینک دے۔ وہ دئے کی روشنی کو روشنی سمجھے، مگر سورج کی روشنی کا روشنی ہونا اس کے لیے لامعلوم بنا رہے۔

ایسا آدمی بلاشبہ اندھا ہے، خواہ اس کے سر پر دو آنکھیں موجود ہوں۔ خواہ دنیا کے رجسٹر میں اس کا نام دیکھنے والوں کی فہرست میں لکھا ہوا ہو۔

ایک نصیحت

بنجمن فرینکلن (Benjamin Franklin) ایک امریکی مفکر تھا۔ وہ ۱۷۰۶ میں پیدا ہوا، اور ۱۷۹۰ میں اس کی وفات ہوئی۔ اس کا ایک قول ہے کہ ـــــ نکاح سے پہلے اپنی آنکھیں خوب کھلی رکھو، مگر نکاح کے بعد اپنی آدھی آنکھ بند کرلو:

Keep your eyes wide open before marriage, half shut afterwards.

یعنی نکاح کرنے سے پہلے اپنے جوڑے کے بارہ میں پوری معلومات حاصل کرو۔ مگر جب نکاح ہو جائے تو اجمال پر اکتفا کرو۔ اسی بات کو کسی نے سادہ طور پر ان لفظوں میں کہا کہ نکاح سے پہلے جانچو، اور نکاح کے بعد نبھاؤ۔

کوئی مرد یا عورت پرفکٹ نہیں۔ کوئی بھی کامل یا معیاری نہیں۔ اس لیے رشتہ سے پہلے تحقیق تو ضرور کرنا چاہیے۔ مگر رشتہ کے بعد یہ کرنا چاہیے کہ اپنے رفیق حیات کی خوبیوں کو دیکھا جائے، اور کمیوں سے صرفِ نظر کر لیا جائے۔

معیار کا حصول موجودہ دنیا میں ممکن نہیں۔ مزید یہ کہ یہ بھی ضروری نہیں کہ جس چیز کو ایک فریق معیاری سمجھے وہ دوسرے فریق کے نزدیک بھی معیاری ہو۔ اس بنا پر خواہ کوئی کتنا ہی زیادہ صحیح ہو وہ دوسرے کو آخری حد تک مطمئن نہیں کرسکے گا، دونوں فریق کو ایک دوسرے کے اندر کچھ نہ کچھ کوتاہیاں نظر آئیں گی۔

اب ایک شکل یہ ہے کہ دوسرے فریق کی کوتاہی سے لڑ کر اس سے علٰحدگی اختیار کر لی جائے، مگر مشکل یہ ہے کہ ایک تعلق کی علٰحدگی کے بعد دوسرا تعلق جو قائم کیا جائے گا۔ اس میں بھی جلد ہی وہی یا کوئی دوسری خامی ظاہر ہو جائے گی، اور اگر دوسرے رشتہ کو ختم کرکے تیسرا یا چوتھا کیا جائے تو اس میں بھی۔ ایسی حالت میں موافقت کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ ہر مرد یا عورت میں خوبی بھی ہوتی ہے اور کوتاہی بھی۔ ضرورت ہے کہ خوبی کو دیکھا جائے اور کوتاہی کو برداشت کیا جائے۔ عملی طور پر یہی ایک ممکن طریقہ ہے۔ اس کے سوا اور کوئی طریقہ اس دنیا میں قابل عمل نہیں۔

دانش کے بغیر

سسرو (Cicero) ۱۰۶ قبل مسیح میں اٹلی میں پیدا ہوا، ۴۳ ق م میں اس کی وفات ہوئی۔ وہ رومی دور کا مشہور عالم اور مفکر اور خطیب شخص سمجھا جاتا ہے۔ اس کے ایک قول کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے کہ ایک فوج کی قیمت میدان جنگ میں صرف اس وقت ہے جب کہ میدان جنگ کے پیچھے بہت سے دانش مند مشیر موجود ہوں:

An army is of little value in the field unless there are wise councels at home.

یہ ایک بے حد اہم حقیقت ہے۔ فوج یا ہتھیار کی حیثیت طاقت کی ہے۔ طاقت سے مطلوب فائدہ حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کو دماغ کی رہنمائی میں استعمال کیا جائے۔ جس طاقت کو استعمال کرنے کے لیے دماغ کی صلاحیت موجود نہ ہو، وہ طاقت صرف تخریب برپا کرے گی، ایسی طاقت کبھی تعمیری نتائج ظاہر نہیں کر سکتی۔

موجودہ زمانہ کے مسلمان اس تاریخی حقیقت کی بدترین مثال ہیں۔ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں نے بار بار اپنی ہتھیار بند فوج بنائی ہے اور بار بار مفروضہ دشمنوں کے ساتھ ٹکراؤ کیا ہے۔ مگر ہر بار صرف ایک ہی نتیجہ سامنے آیا، اور وہ تخریب تھا، موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کے متشددانہ اقدامات نے تخریب اور بربادی کی تاریخ تو ضرور بنائی ہے، مگر ان کا کوئی ایک اقدام بھی ایسا نہیں جس نے حقیقی معنوں میں مسلمانوں کے لیے یا وسیع انسانیت کے لیے تعمیر اور فلاح کی تاریخ بنائی ہو۔ اور اس کی وجہ یہی تھی کہ انھوں نے فوج تو کسی نہ کسی طرح بنالی مگر اس کی رہنمائی کے لیے دانش مند ذہن انھیں حاصل نہ ہو سکا۔

متشددانہ کارروائی نفرت کے جذبہ کے تحت کی جاتی ہے۔ اس کے برعکس مجاہدانہ کارروائی کا سرچشمہ محبت ہوتا ہے۔ مجاہد سب سے پہلے اپنے آپ کو ہلاک کرتا ہے، اس کے بعد وہ دوسرے کے خلاف اقدام کرنے کے لیے اٹھتا ہے۔ موجودہ مسلمان نفرت کے جذبہ کے تحت اٹھے، اس لیے ان کی یہ کارروائیاں نفسانی عمل کے خانہ میں جاتی ہیں نہ کہ مجاہدانہ عمل کے خانہ میں۔ اگر وہ اپنی ان کارروائیوں کو جہاد کہیں تو یہ غلطی پر سرکشی کا اضافہ ہوگا۔ اس طرح وہ خدا کی نظر میں بھی مجرم ٹھہریں گے اور بندوں کی نظر میں بھی۔

محنت کا کرشمہ

اختر حسین غازی خاں ۱۹۲۶ میں غازی پور میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۷ سے وہ دہلی میں ہیں۔ وہ دہلی آئے تو اپنی معمولی تعلیم کی بنا پر وہ یہاں کوئی اچھا کام نہ پا سکے۔ سالہا سال تک ان کا یہ حال تھا کہ معمولی کاموں کے ذریعہ وہ کچھ پیسہ حاصل کرتے اور اس سے بالکل سادہ قسم کی زندگی گزارتے۔ اکثر ان کا اور ان کے بیوی بچوں کا کھانا چٹنی اور چاول یا چٹنی اور دال ہوتا تھا۔ مگر آج وہ نئی دہلی کے ایک فلیٹ میں رہتے ہیں۔ ان کا ٹیلی فون نمبر یہ ہے: 387899

۱۹۷۰ میں وہ ایک مسجد کے حجرہ میں اپنی بیوی کے ساتھ رہتے تھے۔ ان کے چھ لڑکے ہو چکے تھے مگر حال یہ تھا کہ ان بچوں کے لیے نہ رہنے کا کوئی ٹھکانہ تھا اور نہ کھانے پینے کا۔ ایک بار مہینوں تک چٹنی اور چاول اور وہ بھی آدھا پیٹ کھانا پڑا۔ ان کی بیوی گھبرا اٹھیں۔ انھوں نے کہا کہ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ تم کہیں سے زہر لے آؤ۔ ہم سب لوگ زہر کھا کر اپنا قصہ ختم کر لیں۔

بیوی کی اس بات نے اختر حسین صاحب کو تڑپا دیا۔ انھوں نے سوچا کہ میرا یہ حال اس لیے ہے کہ میں نے علم حاصل نہیں کیا۔ اور اگر میرے بچے بھی علم سے محروم رہے تو ان کا بھی وہی حال ہوگا جو میرا ہے۔ ان کو وہ شعر یاد آیا جو انھوں نے اسماعیل میرٹھی کی کتاب میں پڑھا تھا:

جہاں تک دیکھئے تعلیم کی فرماں روائی ہے جو سچ پوچھو تو نیچے علم ہے اوپر خدائی ہے

انھوں نے طے کیا کہ میں بچوں کو زہر نہیں دوں گا بلکہ انھیں تعلیم دلاؤں گا۔ اب ان کے اندر ایک نیا جذبۂ عمل جاگ اٹھا۔ حالات کے دباؤ نے انھیں ہیرو بنا دیا۔ وہ روزانہ ۱۶-۱۶ گھنٹے تک کام کرنے لگے۔ وہ رات دن پیسہ کمانے کے لیے دوڑتے رہتے تاکہ اپنے بچوں کو پڑھا سکیں۔ ۲۶ جون ۱۹۹۱ کی ملاقات میں انھوں نے بتایا کہ برسوں تک میرا یہ حال رہا کہ میں دہلی کی سڑکوں پر دیوانوں کی طرح دوڑتا رہتا تھا تاکہ محنت کر کے اتنا پیسہ حاصل کروں جو میرے بچوں کی تعلیم کے لیے کافی ہو۔

جن حالات نے اختر حسین صاحب کو ہیرو بنا دیا تھا ان حالات نے ان کے بچوں کو بھی سراپا محنت بنا دیا۔ ان کا ہر بچہ انتہائی لگن کے ساتھ پڑھنے لگا۔ ہر بچہ اپنے کلاس میں فرسٹ آنے لگا۔ یہ جدوجہد تقریباً بیس سال تک جاری رہی۔ آج ان کا ہر بچہ اعلیٰ ترقی کے منازل طے کر رہا ہے۔

حکمت کی بات

کانگرس کے صدر نرسمہا راؤ (P.V. Narasimha Rao) کا ایک انٹرویو ٹائمس آف انڈیا (یکم جون ۱۹۹۱) میں چھپا ہے۔ انھوں نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ ہندستانی سماج مختلف قومیتوں کا مشترک سماج ہے۔ اور اس سماج کے ہر جزء کو آزادی اور برابری کے ساتھ رہنا چاہیے۔ ہندستان میں رہنے کا ایک ہی طریقہ ہے، وہ یہ کہ مل جل کر رہا جائے:

We have a plural society and all segments of the society should exist in freedom and equality. The only way to exist in India is to co-exist.

یہ نہایت صحیح اور درست بات ہے۔ مگر اس کا تعلق صرف ہندستانی سماج سے نہیں ہے، بلکہ دنیا کے ہر سماج سے ہے۔ یہی طریقہ پاکستان اور افغانستان کے لیے بھی صحیح ہے اور یہی طریقہ یورپ اور امریکہ کے لیے بھی۔ چاہے ایک خاندان کا معاملہ ہو یا پوری زمین کا معاملہ۔ اس دنیا میں زندہ رہنے کی یہی واحد صورت ہے کہ ایک دوسرے کو برداشت کرتے ہوئے زندگی گزاری جائے۔ اگر برداشت اور رواداری (ٹالرنس) کا طریقہ اختیار نہ کیا جائے تو اس زمین پر نہ ایک خاندان بن سکتا اور نہ ایک ملک۔

اس دنیا میں اختلاف کا موجود ہونا اتنا ہی فطری ہے جتنا خود انسان کا موجود ہونا۔ جہاں انسان ہوں گے وہاں اختلاف ہوگا۔ خواہ یہ انسان ایک مذہب اور کلچر کے ہوں یا کئی مذہب اور کلچر کے۔ ایسی حالت میں انسان کو دو میں سے ایک چیز کا انتخاب کرنا ہے۔ یا تو وہ اختلاف کو برداشت کرے یا اختلاف کو برداشت نہ کرکے دوسروں سے ہمیشہ لڑتا جھگڑتا رہے۔

ہمارے لیے انتخاب کا موقع اختلاف اور بے اختلافی میں نہیں ہے۔ بلکہ اختلاف کو برداشت کرنے یا اختلاف کو برداشت نہ کرکے مرجانے میں ہے۔ اگر ہم زندگی چاہتے ہیں تو وہ صرف اختلاف کو برداشت کرتے ہی ہیں مل سکتی ہے۔ اس کے بعد دوسرا جو امکان ہے وہ لڑکر اپنے کو برباد کرلینے کا ہے۔ اس کے سوا کسی تیسرے انتخاب کا ہمارے لیے موقع نہیں۔

انذارِ آخرت

سرونسٹن چرچل نے ۱۹۵۴ میں جنگ کے خلاف چیتاونی دیتے ہوئے کہا تھا کہ آج ساری دنیا جہنم کے کنارے پر گھوم رہی ہے:

The world is roaming around the brim of hell.

چرچل کے سامنے تیسری عالمی جنگ کا خطرہ تھا۔ انھوں نے اپنے انتباہ میں "جہنم" کا لفظ مجازی طور پر استعمال کیا تھا۔ مگر ایک باخبر مومن اور داعی کے لیے یہ مجاز نہیں ہے، بلکہ حقیقت ہے۔ یہ ایک واقعہ ہے کہ پوری دنیا ایک بھڑکتی ہوئی جہنم کے کنارہ کھڑی ہے۔ ہر آن یہ خطرہ ہے کہ کب وہ اس کے اندر گر پڑے۔ تیسری عالمی جنگ کا خطرہ ٹل سکتا ہے، مگر جہنم کا خطرہ اتنا یقینی ہے کہ اس سے اللہ کے متقی بندوں کے سوا کوئی بھی مامون و محفوظ نہیں۔

تیسری عالمی جنگ کے خطرات سے جو لوگ آگاہ ہیں، وہ اس کو ٹالنے کے لیے رات دن سرگرم عمل ہیں۔ ایسی حالت میں جو لوگ جہنم کے شدید تر خطرات سے آگاہ ہیں، ان کو سیکڑوں گنا زیادہ بڑھ کر سرگرم عمل ہونا چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اتنا بڑا مسئلہ ہے کہ آدمی کو اگر اس کا احساس ہو جائے تو اس کا دن کا سکون اور رات کی نیند اڑ جائے۔ اس کی نفسیات کے اندر ایک ایسا بھونچال آجائے کہ وہ چاہنے لگے کہ کاش میرا ہر بال ایک زبان ہوتا اور میں اپنی ساری قوت کو استعمال کر کے ساری دنیا کو آنے والے خطرہ سے آگاہ کر دیتا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تصویر قرآن میں یہ بتائی گئی ہے کہ آپ لوگوں کو خدا کا مومن بنانے کے لیے اتنا زیادہ بے قرار رہتے تھے گویا کہ آپ اسی غم میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں گے۔ (الشعراء ۳)

بخاری و مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ اس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی بابت فرماتے ہیں کہ میں تم لوگوں کی کمر پکڑ کر تم کو آگ میں جانے سے روک رہا ہوں اور تم لوگوں کا حال یہ ہے کہ تم آگ میں گرے جا رہے ہو (مشکاۃ المصابیح ۱/۵۳)

جو مسئلہ جتنا زیادہ بڑا ہو اتنا ہی زیادہ ضرورت ہوتی ہے کہ اس کے لیے سرگرمی دکھائی جائے۔ مومن کی نظر میں آخرت کا مسئلہ سب سے بڑا ہوتا ہے اس لیے وہ آخرت کے لیے سب سے زیادہ سرگرم ہوتا ہے۔

جزئی مسئلہ

ٹائمس آف انڈیا (۶ جولائی ۱۹۹۱) میں ایک آرٹیکل چھپا ہے۔ اس کا عنوان ہے ——— رام راجیہ کا مطلب عورتوں کے لیے کیا ہوگا:

What will Ramrajya mean to female.

اس مضمون میں جو باتیں کہی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ رام راجیہ ہندی دانوں کے شہری حلقہ کا ایک ظاہرہ ہے، اور اس کا دائرہ بھی صرف مرد آبادی تک محدود ہے:

Ramrajya is a Hindi belt urban phenomenon confined to the male population alone. (p.6)

یہ تجزیہ بالکل درست ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ "رام راجیہ" کی تحریک سارے ہندوؤں کی تحریک نہیں، وہ ہندو قوم کے ایک حصہ کی تحریک ہے۔ اور وہ حصہ بھی اقلیت میں ہے نہ کہ اکثریت میں۔

سورج گرہن، خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو، ساری زمین پر اندھیرا نہیں پھیلاتا۔ اور نہ کوئی سورج گرہن ہمیشہ کے لیے باقی رہتا۔ یہی معاملہ انسانی دنیا کا ہے۔ انسانی دنیا میں کوئی برائی، خواہ وہ کتنی ہی بڑی ہو، وہ کبھی ساری انسانیت کو اپنی لپیٹ میں نہیں لیتی۔ انسانیت کا ایک حصہ اگر وقتی طور پر اس کی زد میں آتا ہے تو بقیہ حصہ اس کے اثرات سے بچا رہتا ہے۔ اور جو حصہ بچتا ہے وہ اکثر اوقات زیادہ قیمتی اور زیادہ اہم ہوتا ہے۔

ہندستان میں مسلمانوں کے خلاف چلنے والی تحریکیں ہوں یا دنیا کے دوسرے حصوں میں چلنے والی اس قسم کی تحریکیں، ان سے ہمیں خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ خود قدرت کا قانون ان کے اوپر چیک لگانے کے لیے ابدی طور پر موجود ہے۔ عین قانون قدرت کے تحت ایسا ہے کہ اپنی ساری تگ و دو کے باوجود ایسی تحریکیں کسی سماج کے صرف ایک جزئی حصہ کو متاثر کر سکتی ہیں۔ سماج کا بڑا حصہ پھر بھی ایسا باقی رہے گا جو ہمارے موافق ہوگا اور جن کو استعمال کر کے ہم اتنا آگے بڑھ سکتے ہیں کہ ناموافق عناصر کی زد سے باہر نکل جائیں۔

ایک آیت

قرآن کی سورہ نمبر ۴۵ میں ارشاد ہوا ہے کہ یہ خدائے عزیز وحکیم کی طرف سے اتاری ہوئی کتاب ہے۔ اور زمین و آسمان میں پھیلی ہوئی نشانیاں اس کی تصدیق کر رہی ہیں۔ مگر جن لوگوں کے اندر گھمنڈ کا مزاج ہو وہ اس سے نصیحت لینے سے قاصر رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں کہا گیا ہے:

وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (الجاثیہ ۹)

اور جب اس کو ہماری آیتوں میں سے کسی چیز کا علم ہوتا ہے تو وہ اس کو مذاق بنا لیتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے سخت ذلت کا عذاب ہے۔

قرآن کی آیتوں میں "چیز" کو پانا اور اس کو لے کر قرآن کا مذاق اڑانا کیا ہے، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ قرآن میں بتایا گیا کہ جہنم کے اوپر ۱۹ فرشتے ہوں گے (المدثر ۳۰) یہاں منکرین نے یہ کیا کہ ساری باتوں کو چھوڑ کر صرف "۱۹" کے عدد کو لے لیا اور اس کا مذاق اڑاتے ہوئے ایک پہلوان نے کہا کہ اگر وہ صرف انیس ہیں تو میں اکیلا ہی ان کو گرا دوں گا (إن كانوا تسعة عشر فانا ألقاهم وحدي) الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، ۱۶/ ۱۵۹

بے حس اور متکبر لوگ عام طور پر سچائی کو نہ ماننے کے لیے یہی طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ وہ آیات کو چھوڑ کر شئ کو لے لیتے ہیں۔ وہ حقائق کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور شوشہ کو لے کر صاحب حق کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ایسے لوگ خدا کی نظر میں بدترین مجرم ہیں۔

حق کو ماننا ہمیشہ اپنی نفی کی قیمت پر ہوتا ہے۔ حق کو ماننے کے لیے آدمی کو اپنی رائے بدلنا پڑتا ہے اس کا تقاضا ہوتا ہے کہ آدمی اپنی خواہش کو کچلے۔ اس کے لیے ضرورت ہے کہ آدمی اپنے آپ کو بڑائی کے مقام سے اتارے اور اپنے آپ کو چھوٹا بنانے پر راضی ہو جائے۔ اس جہاد عظیم کے لیے آدمی تیار نہیں ہوتا۔ اسی کے ساتھ وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ اس کو منکرِ حق کہا جائے۔ اس لیے وہ حق کے پیغام میں شوشہ نکال کر اس کا استہزاء کرتا ہے تاکہ یہ ظاہر ہو کہ جس چیز کو وہ نہیں مان رہا ہے وہ اسی قابل ہے کہ اس کو نہ مانا جائے۔

جو لوگ خدائی صداقت کو رد کریں وہ خود آخرت میں رد کر دیئے جائیں گے۔ اور جن لوگوں کو خدا رد کر دے ان کے لیے بربادی کے سوا کوئی اور انجام مقدر نہیں۔

لہو حدیث

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (لقمان ۶)

اور لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو ان باتوں کا خریدار بنتا ہے جو غافل کرنے والی ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے گمراہ کرے بغیر کسی علم کے، اور اس کی ہنسی اڑائے۔ ایسے لوگوں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

جب حق کی دعوت اٹھتی ہے تو ایک طبقہ بڑھ کر اس کو قبول کر لیتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اندر سنجیدگی ہوتی ہے۔ جو نفسیاتی پیچیدگیوں میں مبتلا نہیں ہوتے۔ جو دنیا کی مصلحتوں میں اٹکے ہوئے نہیں ہوتے۔ حق کا پیغام ان کے لیے ان کے دل کی آواز ثابت ہوتا ہے۔ وہ فوراً اس کو اپنا لیتے ہیں۔ اور اللہ کی توفیق سے اللہ کے مقبول بندوں میں شامل ہو جاتے ہیں۔

دوسرا طبقہ وہ ہے جو کبر کے مرض میں مبتلا ہوتا ہے۔ اس کا احساس برتری اس میں رکاوٹ بن جاتا ہے کہ وہ حق کے پیغام کو قبول کرے۔ وہ بے پروائی کے ساتھ اس کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ اس کو یہ بات اپنے مقام سے فروتر نظر آتی ہے کہ وہ ایک ایسے پیغام کو قبول کرے جس کے ساتھ عظمتوں کی روایات شامل نہیں، جس میں اس کو بیٹھنے کے لیے اونچی گدیاں دکھائی نہیں دیتیں۔

یہ لوگ صرف اس پر بس نہیں کرتے کہ حق کے پیغام کو اختیار نہ کریں۔ اسی کے ساتھ وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ وہ اپنی روش کو جائز اور معقول ثابت کریں۔ اس مقصد کے لیے، مذکورہ آیت کے مطابق وہ لہو حدیث کا طریقہ اپناتے ہیں۔ وہ کوشش کرتے ہیں کہ گمراہ کن باتیں پھیلا کر لوگوں کو حق سے متوحش کر دیں۔

لہو حدیث سے مراد وہ گمراہ کرنے والی باتیں ہیں جن کو وہ حق سے ہٹانے کے لیے لوگوں کے درمیان پھیلاتے ہیں ——— داعیٔ حق کی اصل بات کا جواب دینے کے بجائے اس کی ذات پر طعنہ زنی کرنا۔ دلائل کے مقابلہ میں عیب جوئی کا طریقہ اختیار کرنا۔ داعی کے پیغام میں شوشے نکال کر اس کو غیر معتبر ثابت کرنے کی کوشش کرنا۔ داعی کی بات کو غلط شکل میں پیش کر کے اس کو نشانۂ ملامت بنانا۔ حقائق اور بینات کے جواب میں طنز و تضحیک کی مہم چلانا، وغیرہ

یہ تدبیریں اسی طرح بے فائدہ ہیں جس طرح پانی کے سیلاب کو روکنے کے لیے ریت کی دیوار۔

دین فطرت

خورشید بسمل صاحب (پیدائش ۱۹۴۷) سے ۲۲ جون ۱۹۹۱ کو دہلی میں ملاقات ہوئی۔ وہ جموں کے رہنے والے ہیں۔ انھوں نے کئی سبق آموز واقعات بتائے۔

انھوں نے بتایا کہ ضلع راجوری میں ایک مقام کالاکوٹ ہے۔ یہاں ایک صاحب راجہ رام شرما ہیں۔ اس وقت وہ محکمۂ تعلیم میں ڈسٹرکٹ پلاننگ افسر ہیں۔ ان کے پاس ایک آدمی ان کی گائے خریدنے کے لیے آیا۔ انھوں نے کہا کہ میرے پاس گائے تو ہے، مگر اس کو حال میں باولے کتے نے کاٹ لیا ہے۔ اگر آپ یہ جاننے کے بعد بھی خریدنا چاہیں تو آپ اس کو خرید سکتے ہیں۔

کچھ دنوں بعد پاکستان ٹی وی دیکھتے ہوئے شرما صاحب نے ایک حدیث کا مضمون سنا۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ مسلمان وہ ہے جو تجارت کے وقت اپنے سودے کی خرابی سے گاہک کو آگاہ کر دے۔ شرما صاحب کو یہ پروگرام سن کر اپنا گائے کا واقعہ یاد آیا۔ انھوں نے کہا: اس لحاظ سے تو میں بھی مسلمان ہوں۔ یہ حدیث سنن ابن ماجہ میں ہے۔ اس کے اصل الفاظ یہ ہیں:

عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الأَسْقَعِ، قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ بَاعَ عَيْبًا لَمْ يُنَبِّهْهُ لَمْ يَزَلْ فِي مَقْتِ اللهِ أَوْلَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تَلْعَنُهُ۔

(مشکاۃ المصابیح ۲/۸۶۹)

واثلہ بن اسقع کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جس آدمی نے عیب دار چیز بیچی اور خریدار کو اس کے عیب سے آگاہ نہیں کیا تو وہ برابر اللہ کی ناراضگی میں رہتا ہے، یا فرشتے برابر اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کوئی اجنبی چیز نہیں۔ اسلام دین فطرت ہے۔ ہر آدمی جس فطرت پر پیدا کیا گیا ہے، اسی کو اسلام الفاظ کی صورت دیدیتا ہے۔ اگر باہمی نفرت اور قومی جھگڑوں کی فضا ختم کر دی جائے اور اسلام کی نمائندگی کرنے کے لیے صرف قرآن اور حدیث لوگوں کے سامنے ہو تو بے شمار آدمی اسلام کو عین اپنے دل کی آواز سمجھیں گے اور اس کو اس طرح اپنا لیں گے جیسے کہ وہ خود ان کی اپنی چیز تھی جو کچھ عرصہ گم رہنے کے بعد دوبارہ انھیں واپس مل گئی۔

دین فطرت اپنے آپ میں ایک طاقت ہے۔ اس کو کسی مزید طاقت کی ضرورت نہیں۔

انسان کدھر

ہندستان کے سابق وزیر اعظم راجیو گاندھی (۱۹۴۴ - ۱۹۹۱) پارلمنٹ کے دسویں الکشن (مئی ۱۹۹۱) کی مہم چلا رہے تھے۔ وہ ملک کا طوفانی دورہ کرتے ہوئے ۲۱ مئی ۱۹۹۱ کو اپنے مخصوص ہوائی جہاز کے ذریعہ تامل ناڈو پہونچے۔ وہ ہوائی اڈہ مینم پکم (Meenampakkam) پر اترے۔ یہاں وہ اپنی بلٹ پروف گاڑی میں بیٹھے اور ۳۰ سے زیادہ کاروں کے قافلہ کے ساتھ سری پرم بودور (Sriperumbudur) کے لیے روانہ ہوئے جہاں انھیں ایک الکشن میٹنگ کو خطاب کرنا تھا۔

رات کو ۱۰ بجے وہ پنڈال کے اندر عوام کی طرف سے گلدستے وصول کر رہے تھے۔ اسی دوران ایک ۲۵ سالہ عورت اپنے دونوں ہاتھ میں پھولوں کا ایک گلدستہ لیے ہوئے راجیو گاندھی کی طرف بڑھی۔ راجیو بھی احساس فتح کے ساتھ اس کی طرف بڑھے۔ کیوں کہ ہر جگہ عوامی استقبال نے انھیں یقین دلایا تھا کہ اس الکشن کے بعد وہ ملک کے وزیر اعظم بننے والے ہیں۔

عورت نے قریب آکر اپنا گلدستہ راجیو گاندھی کی طرف بڑھایا۔ مگر اس عورت کا تعلق خودکشی دستہ (suicide squad) سے تھا اور وہ اپنے جسم پر خطرناک بم باندھے ہوئے تھی۔ راجیو گاندھی نے گلدستہ اپنے ہاتھ میں لیا ہی تھا کہ بم پھٹ گیا۔ راجیو گاندھی پوری طرح اس کی زد میں آگیے۔ ان کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ اسی لمحہ ان کی موت واقع ہوگئی۔

بظاہر یہ بم کا دھماکہ تھا۔ مگر حقیقۃً وہ موت کا دھماکہ تھا جو ہر انسان کے لیے مقدر ہے۔ اس اعتبار سے یہ صرف راجیو گاندھی کی کہانی نہیں بلکہ ہر انسان کی کہانی ہے۔ ہر آدمی یہ سمجھتا ہے کہ وہ کامیابی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ہر آدمی کا ہاتھ خوشیوں کے گلدستہ پر ہے۔ مگر اصل حقیقت اس کی امیدوں کے بالکل برعکس ہے —— جس چیز کو آدمی گلدستہ سمجھ کر وصول کر رہا ہے وہ اس کے لیے ہلاکت کا بم ہے۔

اس سے مستثنیٰ صرف وہ لوگ ہیں جن کو موت سے پہلے اپنے رب کی معرفت حاصل ہوئی جنھوں نے اپنی زندگی کو رب کائنات کی اطاعت میں گزارا۔ جن کی موت اس حال میں آئی کہ وہ اپنے پرچۂ امتحان کو کامیابی کے ساتھ حل کر چکے تھے۔

تنقید ضروری

دور اول میں جن محدثین نے حدیث کے راویوں کی جانچ کی اور فن رجال بنایا، وہ حدیث کے راویوں پر کھلی تنقید کرتے تھے۔ ان کی تنقید اتنی سخت ہوتی تھی کہ لوگ ان پر غیبت اور کردارکشی کے الزام لگانے لگے۔ مگر انھوں نے اپنی تنقید نہیں چھوڑی۔ ان کی یہ تنقیدیں آج بھی اسماء الرجال کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ محدثین نے اس قسم کی تنقید صرف راویوں کے بارہ میں کی۔ عام انسانوں کے بارہ میں انھوں نے کبھی اس قسم کی تنقید نہیں کی۔

ان بڑے بڑے محدثین نے ایسا کیوں کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہر شخص جو یہ کہتا تھا کہ "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" وہ گویا ترجمان اسلام ہونے کا دعویٰ کر رہا تھا۔ اور جب بھی کوئی شخص ترجمان اسلام یا شارح دین کے مقام سے بولے تو اس کی سخت ترین جانچ کی جائے گی۔ اس معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی مطلق پروا نہیں کی جائے گی یہ کام بہر حال کیا جائے گا، خواہ اس کی جو بھی قیمت دینی پڑے۔ کیونکہ عام انسان صرف ایک انسان ہے، اور راوی عین اپنے دعوے کے مطابق، نمائندۂ اسلام۔

موجودہ پریس کے دور میں بہت سے لوگ ابھرے ہیں جن کو "مفکر اسلام" کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ دین کی تفسیر وتشریح کر رہے ہیں۔ وہ "اسلام کیا ہے" کا جواب دے رہے ہیں۔ ایسا کوئی شخص باعتبار حیثیت، عین اسی مقام پر آجاتا ہے جس مقام پر قدیم راویانِ حدیث نے اپنے آپ کو کھڑا کیا تھا۔ اس لیے لازم ہے کہ ان کا مکمل جائزہ لیا جائے تاکہ یہ معلوم ہو کہ ان کی تشریح دین معتبر ہے یا غیر معتبر۔

قدیم راویانِ حدیث کی جرح میں زیادہ تر ان کی شخصی اہلیت کا جائزہ لیا جاتا تھا۔ تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ وہ ثقہ ہیں یا غیر ثقہ۔ مگر موجودہ مفکرین اسلام کے سلسلہ میں اس قسم کی شخصی چھان بین کی ضرورت نہیں۔ موجودہ مفکرین کے سلسلہ میں تنقید کا اصل نشانہ ان کے افکار کو بنایا جائے گا، ان لوگوں کے افکار کو قرآن وحدیث پر جانچ کر دیکھا جائے گا کہ وہ دین کے صحیح ترجمان ہیں یا غلط ترجمان۔

جو لوگ اس قسم کی تنقید پر برہم ہوں، وہ اپنی برہمی سے صرف یہ ثابت کر رہے ہیں کہ وہ شخصیت پرستی کے مرض میں مبتلا ہیں، انھیں دین کا مجروح ہونا گوارا ہے، مگر اپنے اکابر کا مجروح ہونا انھیں گوارہ نہیں۔

کلام کی شرط

عن ابی ھریرۃ ، ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال : من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیقل خیراً او لیصمت (متفق علیہ)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ وہ بہتر بات بولے ورنہ چپ رہے۔

جو شخص اللہ کو اس کے عظمت وجلال کے ساتھ مانے، جس کو یہ یقین ہو کہ قیامت کے دن اللہ اس کے ہر بول پر اس سے بازپرس کرنے والا ہے، وہ اپنی زبان کے بارہ میں آخری حد تک محتاط ہو جاتا ہے۔ وہ بولنے سے پہلے سوچتا ہے۔ وہ خدا کے یہاں جائزہ لیے جانے سے پہلے خود اپنا جائزہ لینے لگتا ہے۔

یہ مزاج اس کو اپنا نگراں آپ بنا دیتا ہے۔ اس کی زبان پر خاموشی کا تالا لگ جاتا ہے۔ وہ صرف اس وقت بولتا ہے جب کہ بولنا فی الواقع ضروری ہو گیا ہو، اور جہاں حقیقی ضرورت نہ ہو وہاں وہ چپ رہنا پسند کرتا ہے۔

جو شخص اپنی نفسیات کے اعتبار سے ایسا بن جائے، اس کی زبان جب کھلے گی تو بھلی بات ہی کے لیے کھلے گی۔ لغو یا بے ہودہ بات کے لیے اس کی زبان اس طرح بند ہو جائے گی جیسے اس کے پاس بولنے کے لیے الفاظ ہی نہیں۔

بہتر بات سے مراد وہ بات ہے جس سے کسی خدائی سچائی کا اعلان ہوتا ہو۔ جس میں کسی مظلوم کی حمایت کی گئی ہو۔ جس سے انسانی بھلائی قائم کرنا مقصود ہو۔ جو خیر خواہی اور اصلاح کے جذبہ کے تحت ظاہر ہوئی ہو۔

اس کے برعکس غیر بہتر بات وہ ہے جس کا مقصد اپنے آپ کو نمایاں کرنا ہو۔ جس کے ذریعہ ظالم کی تائید چاہی گئی ہو۔ جو بدخواہی اور ظلم کے جذبہ کے تحت نکلی ہو۔ جس کا نتیجہ یہ ہو کہ سویا ہوا فتنہ جاگ اٹھے اور خدا کی زمین میں فساد پھیل جائے۔

اللہ پر اور آخرت پر ایمان آدمی کو سنجیدہ اور ذمہ دار بناتا ہے۔ اور جو شخص حقیقی معنوں میں سنجیدہ اور ذمہ دار ہو جائے اس کا کلام ویسا ہی ہو جائے گا جس کا حدیث میں ذکر ہوا۔

جنگ بے فائدہ

نپولین ۲۲ سال تک یورپی ملکوں سے جنگ لڑتا رہا۔ آخر کار انگلینڈ کے ڈیوک (Duke of Wellington) نے ۱۸ جون ۱۸۱۵ کو واٹر لو جنگ (Battle of Waterloo) میں نپولین بوناپارٹ کو شکست دی (X/570) ڈیوک کی یہ فتح اتنی عظیم تھی کہ اس کو "گریٹ ڈیوک" کہا جانے لگا۔ اس کی بابت لکھا گیا کہ واٹر لو کے مقام پر نپولین کو شکست دینے کے بعد وہ دنیا کے فاتح کو فتح کرنے والا بن گیا:

By defeating Napoleon at Waterloo he became the conqueror of the world's conqueror. (19/755)

ہر طرف ڈیوک کی تعریف کی جانے لگی۔ مگر خود ڈیوک جھوٹے فخر (false pride) کا شکار نہیں ہوا۔ اس کو اس بات کا شدید احساس تھا کہ اس فتح تک پہنچنے کے لئے اس کے اپنے ملک سمیت چار ملک تباہ ہو گئے ہیں۔ اس نے کہا کہ کوئی بھی چیز، ایک ہاری ہوئی جنگ کے سوا، ایک جیتی ہوئی جنگ کی غم ناکی کی آدھی غم ناک بھی نہیں ہو سکتی:

Nothing except a battle lost can be half so melancholy as a battle won.

یہی ہر جنگ کا معاملہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جنگ میں ہار جیت کے درمیان اتنا ہی فرق ہے کہ ہار کے ساتھ شرمندگی شامل ہوتی ہے، اور جیت کے ساتھ شرمندگی شامل نہیں ہوتی۔ ورنہ بربادی کے اعتبار سے جیت اور ہار دونوں تقریباً یکساں ہیں۔

دوسری عالمی جنگ میں برطانیہ فاتح بن کر نکلا۔ مگر اس کے نتیجہ میں وہ اتنا کمزور ہو گیا کہ اس کے اندر یہ طاقت نہیں رہی کہ وہ اپنے زیر قبضہ ملکوں پر اپنا کنٹرول قائم رکھ سکے۔ خلیج کی جنگ میں امریکہ نے بظاہر شاندار فتح حاصل کی۔ مگر مسلسل ایسی رپورٹیں اخباروں میں آ رہی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ امریکہ کے لوگ نتیجۂ جنگ کے معاملہ میں مایوسی کا شکار ہو رہے ہیں۔

ہندستان ٹائمس (۸ جون ۱۹۹۱) میں اس کے نمائندہ مقیم واشنگٹن، مسٹر این سی منن کی رپورٹ

چھپی ہے۔ اس میں وہ بتاتے ہیں کہ امریکہ کے لوگ جنگ کے نتائج پر مطمئن نہیں۔ وہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ امریکہ نے آخر خلیج کی جنگ سے کیا حاصل کیا :

Just what did the United States gain from the war?

جب کسی سے اختلاف اور ٹکراؤ کی حالت پیش آتی ہے تو اس کا پر امن حل بھی وہیں موجود ہوتا ہے۔ مگر آدمی اکثر اوقات پر امن حل کو چھوڑ کر جنگ کے حل کی طرف دوڑتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ محسوس کرتا ہے کہ پر امن حل میں وہ اپنی کچھ چیزوں کو کھو رہا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ پر امن حل میں بظاہر جو نقصان ہے، اس سے بہت زیادہ نقصان وہ ہے جو جنگ کی صورت میں آدمی کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔

مثال کے طور پر خلیج کے بحران میں اگر کویت اس پر راضی ہو جاتا کہ وہ اپنا غیر آباد جزیرہ وربہ (Warba Island) عراق کو پٹہ پر دیدے، جیسا کہ عراق کا مطالبہ تھا، تو یہ اس نقصان سے بہت کم تھا جو جنگ کی صورت میں کویت کو اٹھانا پڑا۔ اسی طرح خود عراق اگر کویتی جزیرہ کے بارہ میں اپنے مطالبہ سے باز آجاتا اور اپنی موجودہ جغرافی حالت پر قانع رہتا تو یہ اس کے لئے اس نقصان سے ہزاروں گنا کم ہوتا جو جنگ کے بعد اس کے نتیجہ میں عراق کے حصہ میں آیا۔

انسان جب بھی کسی جنگ میں الجھتا ہے تو وہ جذباتی ہیجان کی حالت میں اس سے الجھتا ہے۔ اگر انسان ایسا کرے کہ ٹکراؤ پیش آنے کی صورت میں وہ رک کر ٹھنڈے دل سے غور کرے تو یقینی طور پر وہ جنگ کے مقابلہ میں امن کو ترجیح دے گا۔

جنگ کی طاقت ہتھیار ہے۔ مگر جس طرح فوج اور ہتھیار ایک طاقت ہے، اسی طرح امن کی تدبیر بھی ایک طاقت ہے۔ جس طرح ہتھیار دشمن کو زیر کرتا ہے۔ اسی طرح امن کی طاقت بھی دشمن کو زیر کرتی ہے۔ البتہ دونوں میں یہ فرق ہے کہ ہتھیار کو استعمال کرنا ہمیشہ تخریب کی قیمت پر ہوتا ہے، اور امن کی طاقت ایک تعمیری طاقت ہے۔ وہ اپنے آخری استعمال کے بعد بھی تعمیری رہتی ہے۔ جنگ کی تدبیر اختیار کرنے سے نئے شدید تر مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ جب کہ پر امن تدبیر مسئلہ کو اس طرح حل کرتی ہے کہ وہ کوئی نیا مسئلہ پیدا ہونے نہیں دیتی۔

لحم خنزیر

خنزیر کا گوشت کھانا اسلام میں حرام ہے۔ حوالہ کے لئے قرآن کی حسب ذیل آیتیں ملاحظہ ہوں : البقرہ ۱۷۳ ، المائدہ ۳ ، الانعام ۱۴۵ ، النحل ۱۱۵۔ موجودہ زمانہ کے عیسائی حضرات اگرچہ خنزیر کا گوشت عملاً استعمال کر رہے ہیں۔ مگر مذہبی حکم کے اعتبار سے ان کے یہاں بھی خنزیر کا گوشت ممنوعہ غذاؤں میں سے ہے۔ بائبل کے حسب ذیل مقامات ملاحظہ ہوں :

اور سور کو کیوں کہ اس کے پاؤں الگ اور چرے ہوئے ہیں، پر وہ جگالی نہیں کرتا۔ وہ بھی تمہارے لئے ناپاک ہے۔ تم ان کا گوشت نہ کھانا۔ اور ان کی لاشوں کو نہ چھونا۔ وہ تمہارے لئے ناپاک ہیں (احبار ۱۱ : ۷)

اور سور تمہارے لئے اس سبب سے ناپاک ہے کہ اس کے پاؤں تو چرے ہوئے ہیں۔ پر وہ جگالی نہیں کرتا۔ تم نہ تو ان کا گوشت کھانا اور نہ ان کی لاش کو ہاتھ لگانا (استثناء ۱۴ : ۸)

حلال جانور گویا قدرت کے زندہ کارخانے ہیں۔ وہ انسان کے لئے پروٹینی خوراک فراہم کرنے کا قیمتی ذریعہ ہیں۔ یہ حیوانات غیر غذا (non-food) کو غذا (food) میں تبدیل کرتے ہیں۔

بکری گھاس کھاتی ہے اور اس کو دودھ اور گوشت میں تبدیل کرتی ہے۔ چڑیاں کیڑے مکوڑے کھاتی ہیں اور ان کو گوشت میں تبدیل کرتی ہیں۔ مچھلیاں پانی کے معمولی جانور کھاتی ہیں اور ان کو قیمتی سفید گوشت میں تبدیل کرتی ہیں۔

مگر خنزیر کے اندر یہ صلاحیت نہیں۔ خنزیر نہ گھاس کھاتا ہے اور نہ کیڑے مکوڑے۔ اس کی خوراک گندگی ہے۔ اس کا گوشت گندگی سے بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خنزیر کے کھانے کا اثر آدمی کے مزاج پر پڑتا ہے اور اس کا اخلاق بگڑ جاتا ہے۔

خنزیر بیماری کا سبب بھی ہے۔ کیوں کہ اپنی گندی خوراک کی وجہ سے وہ اکثر بہت سی متعدی اور جراثیمی بیماریوں میں مبتلا رہتا ہے :

Pigs are subject to many infectious and parasitic diseases. (10/1282)

موجودہ زمانہ میں خنزیر کو سائنٹفک فارموں میں رکھا جاتا ہے اور اس کو گندی خوراک سے بچاکر دوسری خوراک کھلائی جاتی ہے۔ مگر واضح ہو کہ یہ دوسری خوراک "غیر غذا" نہیں ہوتی بلکہ خود غذا ہوتی ہے۔ یعنی جو خوراک آدمی کھاتا ہے، عین وہی خوراک نام نہاد سائنٹفک فارموں میں خنزیر کو کھلائی جاتی ہے۔ گویا خنزیر غذا کو غذا میں تبدیل کرتا ہے، جب کہ حلال جانوروں کا معاملہ یہ ہے کہ وہ غیر غذا کو غذا میں تبدیل کرتے ہیں۔

خنزیر گھاس یا کیڑے مکوڑے نہیں کھاتا۔ وہ غلّہ کھاکر اس کو گوشت میں تبدیل کرتا ہے۔ مگر یہاں بھی اس کا معاملہ دوسرے غذائی حیوانات سے مختلف ہے۔ اس کا تبدیل کیا ہوا گوشت زیادہ تر چربی ہوتا ہے۔ اس کا بہت کم حصہ گوشت کی صورت میں حاصل ہوتا ہے۔

فطرت کی خلاف ورزی

خنزیر کا لفظ اکثر زبانوں میں برا مفہوم رکھتا ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ خنزیر عام طور پر گندگی کھاتا ہے۔ اس بنا پر اس کے نام کے ساتھ گندگی کا تصور وابستہ ہوگیا۔ انگریزی میں کہتے ہیں:

Pig turns man into a pig.

یعنی سور (کا گوشت) آدمی کو بھی سور بنا دیتا ہے۔ وبیسٹر ڈکشنری میں لفظ پگ (pig) کا چوتھا مفہوم حسب ذیل الفاظ میں لکھا ہوا ہے۔

A person regarded as acting or looking like a pig, a greedy or a filthy person. (clloq)

یعنی سور جیسا آدمی، لالچی اور گندہ آدمی۔ فرانسیسی میں خنزیر کو کوشوں (couchon) کہتے ہیں۔ یہ لفظ فرانسیسی زبان میں پگ سے بھی زیادہ برے معنی رکھتا ہے۔

خنزیر کو گندہ خوراک سے بچانے کے لئے موجودہ زمانہ میں اعلیٰ قسم کے بڑے بڑے فارم بنائے گئے ہیں۔ پگ کیپنگ (Pig-keeping) اب ایک مستقل فن بن گیا ہے۔ پگ فارموں میں ان کے لئے خاص طور پر صاف ستھری غذاؤں کا انتظام کیا جاتا ہے اور دوسری سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔

تاہم خنزیر کے فارم مغربی دنیا میں اب تنقید کا موضوع بن رہے ہیں۔ لندن کے اخبار گارجین (۲۹ مئی ۱۹۸۳) میں دو کالم کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے ——— کیا خنزیر ختم ہونے والے ہیں:

Are pigs doomed?

مضمون نگار Ralph Whitlock نے دکھایا ہے کہ مغرب میں خنزیر کے جدید فارم اب دن بدن ناقابل

برداشت ہوتے جارہے ہیں کیونکہ خنزیر مضمون نگار کے الفاظ میں انسان کا مدمقابل (Competitor) ہے۔ یعنی وہ وہی خوراک کھاتا ہے جو انسان کھاتا ہے۔ خنزیر نہ گھاس کھاتا ہے اور نہ گوشت۔ اس کو غلہ کی بنی ہوئی چیزیں (ڈبل روٹی وغیرہ) کھلانی پڑتی ہیں۔ مزید یہ کہ خنزیر بہت پیٹو جانور ہے۔ وہ غیر معمولی طور پر زیادہ غذا کھاتا ہے۔ چند خنزیر اگر کسی بیکری میں داخل ہو جائیں تو وہ وہاں کی تمام ڈبل روٹی اور پنیر کھا کر ختم کر دیں گے۔

موجودہ زمانہ میں خنزیر کی خوراک میں کفایت کی خاص کوشش کی جارہی ہے۔ خنزیر کے فارموں میں کمپیوٹروں کے ذریعہ ان کی خوراک پر کنٹرول کیا جاتا ہے تاکہ وہ ضرورت سے زیادہ نہ کھا سکیں۔ مگر ان ساری کوششوں کے بعد بھی خنزیر کا یہ حال ہے کہ اس کے لاشہ میں ایک پونڈ کا اضافہ کرنے کے لئے اس کو ۵ پونڈ خوراک کھلانی پڑتی ہے،

Despite all modern aids to economic production, it still takes about 5 pounds of pig food to produce one pound of weight increase in the pig's carcase.

مضمون نگار کے الفاظ میں یہ خنزیر کی بنیادی کمزوری (Fundamental weakness) ہے۔ بکری اور گائے گھاس کو گوشت میں تبدیل کرتے ہیں۔ گویا جس چیز کو انسانی معدہ براہ راست ہضم نہیں کر سکتا اس کو خود کھا کر دودھ اور گوشت کی صورت دیتے ہیں اور ہمارے لئے کھانے کے قابل بناتے ہیں۔ مگر خنزیر کے اندر یہ صلاحیت نہیں۔ وہ خود انسان کی غذا (ڈبل روٹی وغیرہ) کھاتا ہے۔ اور وہ بھی اس طرح کہ ۵ پونڈ انسانی غذا کھا کر صرف ایک پونڈ گوشت انسان کو واپس کرتا ہے۔ خنزیر صرف یہ کرتا ہے کہ سستی خوراک کو مہنگی خوراک بنا دے:

The pig can only translate a cheap food into an expansive one

مضمون نگار نے لکھا ہے کہ موجودہ زمانہ کا سب سے بڑا مسئلہ آبادی کا انفجار ہے۔ حتی کہ وہ ایٹمی جنگ سے بھی زیادہ بڑا خطرہ ہے:

The population explosion is a far greater threat than that of nuclear war.

زمین پر انسانی آبادی ہندسی نسبت (Geometrical progression) سے بڑھ رہی ہے۔ ماہرین کے اندازہ کے مطابق ۲۰۱۵ میں دنیا کی موجودہ آبادی دگنا ہو جائے گی۔ ایسی حالت میں خنزیر کا مستقبل، مضمون نگار کے نزدیک، اکیسویں صدی میں یہ نظر آتا ہے کہ ان کی بہت تھوڑی تعداد کو چھاچھ اور ٹکڑوں کی خوراک مل سکے گی۔ اور بقیہ تمام خنزیر غذائی اشیاء کی قلت کے سبب دوبارہ گندگی کھانے والے جانور (scavenger)

بن کر رہ جائیں گے۔

معلوم ہوا کہ خنزیر یا تو گندگی کھاتا ہے یا انسانی خوراک۔ خنزیر کو خدا نے اس لئے بنایا تھا کہ وہ گندگی کو اپنی خوراک بناکر "صفائی کرم چاری" کا کام انجام دے۔ مگر انسان نے اس کو اپنی خوراک بنالیا اور اس کی خاطر جدید طرز کے بڑے بڑے فارم بنائے۔ قدرت کے انتظام میں یہ مداخلت صرف اس قیمت پر ہوئی کہ انسان اپنی خوراک کا زیادہ حصہ اس کو کھلاکر اس سے اپنے لئے کم خوراک حاصل کرے۔

خدا نے اپنی دنیا میں جو نظام قائم کیا ہے، وہ حد درجہ حکمت پر مبنی ہے۔ اس میں مختلف پہلوؤں کی مجموعی رعایت پائی جاتی ہے۔ یہ نظام اتنا کامل ہے کہ ایک جز میں کوئی فرق کیا جائے تو دوسرے تمام اجزاء میں اختلال پیدا ہو جاتا ہے۔

ایسی حالت میں انسان کے لئے واحد درست طریقہ یہ ہے کہ وہ قدرت کے نظام میں دخل اندازی سے بچے، وہ اس کی مکمل پیروی کرے۔ اگر آدمی نے قدرت کے اس نظام کو بدلنے کی کوشش کی تو وہ صرف اس قیمت پر ہوگا کہ اس کے بعد ماحول میں ایسی خرابی پیدا ہو جائے جس پر قابو پانا اس کے لئے ناممکن ہو۔

اخلاق پر اثر

جانوروں کا گوشت سادہ طور پر محض ایک خوراک نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ اخلاقیات سے بھی اس کا گہرا تعلق ہے۔ بکری کا گوشت کھانے سے بکری والی صفات بنتی ہیں اور بھیڑیا کا گوشت کھانے سے بھیڑیا والی صفات۔ اسی طرح خنزیر کا گوشت بھی آدمی کے اندر مخصوص اخلاقی صفت پیدا کرتا ہے۔ یہ صفت انسانی زندگی کے لئے ناپسندیدہ ہے۔ اس لئے اس کو شریعت میں حرام قرار دیا گیا ہے۔

اس معاملہ کو سمجھنے کے لئے ایک تقابلی مطالعہ کیجئے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ خنزیر کا گوشت زیادہ تر مغربی قوموں میں کھایا جاتا ہے۔ مشرقی قوموں میں بحیثیت خوراک اس کا رواج ناقابل ذکر حد تک کم ہے۔ مغربی قوموں میں خنزیر کی حیثیت ایک عام غذا کی ہے۔ اس کے برعکس مشرقی قوموں کی عام غذا غلہ اور سبزی اور دودھ جیسی چیزیں ہیں۔ مشرق کی جن قوموں (مثلاً مسلمان) میں گوشت کھایا جاتا ہے۔ وہ صرف حلال گوشت ہے جس میں خنزیر کا گوشت شامل نہیں۔

اب دونوں قوموں کا اخلاقی حیثیت سے تقابل کیجئے۔ مشرقی قوموں میں مذہب اور روحانی علوم کا ارتقاء ہوا۔ دوسری طرف مغربی قوموں میں ایسے علوم کا ارتقاء نہ ہو سکا۔ ان کے درمیان زیادہ تر ٹکنکل علوم کو ترقی حاصل ہوئی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حلال غذا آدمی کے اندر ذوق لطیف پیدا کرتی ہے اور حرام غذا ذوق کثیف پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے۔

اسی طرح قدیم زمانہ میں زیادہ تر مشرقی قوموں کو سیاسی اور فوجی غلبہ حاصل تھا۔ موجودہ زمانہ میں غلبہ کی حیثیت زیادہ تر مغربی قوموں کو حاصل ہو گئی ہے۔ گہرائی کے ساتھ دیکھئے تو مشرقی قوموں کے غلبہ کا زمانہ نسبتاً زیادہ پر امن نظر آئے گا۔ مشرقی قوموں نے کبھی اس بے رحمانہ درندگی کا ثبوت نہیں دیا جس کا نمونہ موجودہ مغربی قوموں میں دکھائی دیتا ہے۔

مغربی قوموں نے تاریخ کی سب سے زیادہ بھیانک لڑائیاں چھیڑی ہیں۔ انھوں نے مہلک ہتھیاروں کو پہلی بار انڈسٹری کی حیثیت دے دی۔ آج یہ لوگ عالمی سطح پر قوموں کو صرف اس لئے لڑاتے ہیں تاکہ یہ قومیں بھاری قیمت پر ان سے ہتھیار خریدیں اور ان کی وار انڈسٹری کامیابی کے ساتھ چلتی رہے۔ وغیرہ۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حلال غذا آدمی کے اندر پرامن نفسیات پیدا کرتی ہے، اور حرام غذا آدمی کے اندر تشدد کی نفسیات پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے۔

الحدیبیہ

اسلام کی تاریخ کا ایک واقعہ وہ ہے جس کو الاستراتیجیۃ الحدیبیہ (Al-Hudaibiya strategy) کہا جا سکتا ہے۔ جب الحدیبیہ کا معاہدہ ہوا تو قرآن میں اس کو فتح مبین (الفتح ۱) کہا گیا۔ الحدیبیہ اسٹریٹجی اپنی حقیقت کے اعتبار سے یہ تھی کہ مقابلہ کو جنگ کے میدان سے ہٹا کر امن کے میدان میں لایا جائے۔ تشدد کی طاقت سے فیصلہ لینے کے بجائے امن کی طاقت سے فیصلہ حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہ تدبیر انتہائی کامیاب رہی۔ الحدیبیہ کے بعد دو سال کے اندر مکہ کسی جنگ کے بغیر فتح ہو گیا۔

یہ ۶۲۸ء کا واقعہ ہے۔ اسلام نے الحدیبیہ کی صورت میں پہلی بار انسانی تاریخ میں اس اصول کا کامیاب مظاہرہ کیا کہ تشدد کی تدبیر کے مقابلہ میں امن کی تدبیر زیادہ کارگر اور زیادہ موثر ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں سب سے بڑی طاقت امن کی طاقت ہے۔ جنگ کی طاقت بظاہر کتنا ہی زیادہ اہم دکھائی دیتی ہو، اس کی ایک حد ہے، اپنی حد پر پہنچ کر وہ غیر موثر ہو جاتی ہے۔

مگر موجودہ زمانہ کے مسلمانوں نے اس حقیقت کو نہ اسلام کی تاریخ سے لیا اور نہ موجودہ حالات سے وہ اس کو اخذ کر سکے۔ مسلمانوں کے نادان رہنما سو سال سے بھی زیادہ عرصہ سے "تلوار" کی عظمت بیان کرنے میں مصروف ہیں۔ اس الٹی رہنمائی نے ساری دنیا میں مسلمانوں کی سوچ کو بگاڑ دیا ہے۔ وہ ہر جگہ تلوار کی طاقت سے فیصلہ لینا چاہتے ہیں، خواہ اس کا نتیجہ یک طرفہ طور پر خود ان کی اپنی بربادی کی صورت میں کیوں نہ نکلتا ہو۔

اس غلط رہنمائی کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان آج کی دنیا میں ایک تضاد بن کر رہ گئے ہیں۔ اپنی عدم تیاری کی بنا پر وہ پر امن مقابلہ میں دوسری قوموں کا سامنا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ چنانچہ وہ جھنجھلاہٹ کا شکار ہو کر بے فائدہ قسم کی منفی سرگرمیوں میں مشغول ہیں۔ ان کا یہ مزاج کہیں لاحاصل مطالبہ اور احتجاج کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے اور کہیں لاحاصل بم اور گولی کی صورت میں۔

مسلمان اگر آج کی دنیا میں اپنے لئے باعزت جگہ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو انھیں دوبارہ الحدیبیہ اسپرٹ کو زندہ کرنا ہوگا۔ انھیں اپنے آپ کو پر امن طاقتوں سے مسلح کرنا ہوگا۔ موجودہ عسکری سرگرمیاں انھیں بربادی کے سوا کہیں اور پہنچانے والی نہیں۔ اس معاملہ میں ایک محدث کا مشہور قول پوری طرح

صادق آتا ہے کہ اس امت کے بعد کے دور کے حالات بھی اسی سے درست ہوں گے جس سے اس کے دور اول کے حالات درست ہوئے تھے (لن یصلح آخر هذه الامة الّا بما صلح به اولها)

قرآن میں معاہدۂ حدیبیہ کو فتح مبین (الفتح ۱) کہا گیا ہے۔ قال البخاری عن البراء قال: تعدّون الفتحَ فتح مكة ونحن نعدّ الفتحَ يومَ الحديبية

معاہدۂ حدیبیہ کیا ہے۔ معاہدۂ حدیبیہ اپنی روح کے اعتبار سے یہ ہے کہ دونوں فریقوں کو ایک دوسرے کے خلاف جارحانہ مداخلت کی حد تک پابند کر کے بقیہ ہر اعتبار سے انھیں آزاد کر دیا جائے۔ اس قسم کی آزادی جب قائم کی جائے گی تو ظاہر ہے کہ وہ صرف ایک فریق کے لئے نہیں ہو سکتی وہ لازماً دونوں فریقوں کے لئے ہوگی۔ چنانچہ یہی معاملہ حدیبیہ کے وقت پیش آیا۔ اس میں اہل شرک پر جنگی اقدام کی ممانعت قائم کی گئی تو اہل اسلام بھی جنگی اقدام سے روک دیے گئے۔ اسی طرح اہل اسلام کو اگر تبلیغ توحید کی آزادی ملی تو دوسرے فریق کو بھی یہ آزادی ملی کہ وہ شرک کی حمایت میں جو کچھ کہنا چاہیں کہیں۔ یہاں تک کہ انھیں یہ بھی آزادی ملی کہ لفظ رسول اللہ کو کاغذ پر مٹائیں۔ وہ کسی موحد اور مومن کو اپنے یہاں روک لیں، جیسا کہ انھوں نے ابو جندل کو روکا۔ وغیرہ

اگر ہم ایک ایسی صورت حال قائم کرنا چاہتے ہیں، جو ہماری موافقت میں ہو، تو اس صورت حال کے قیام کے بعد دوسروں کو اس سے فائدہ اٹھانے سے روکا نہیں جا سکتا۔ موجودہ عالم اسباب میں ایسا ہونا ممکن نہیں۔ ہم اپنی اس خواہش کا اظہار بے جا احتجاج کی صورت میں کر سکتے ہیں۔ مگر ایسے احتجاج کی کوئی قیمت نہ ہوگی۔

مثال کے طور پر آزادئ فکر کی صورت حال ہمارے لئے مفید ہے۔ کیوں کہ اسلام کی عمومی اشاعت اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ دنیا میں فکری آزادی کا ماحول موجود ہو۔ مگر ہم ایسا نہیں کر سکتے کہ آزادی صرف ہمارے لئے ہو، وہ دوسروں کے لئے نہ ہو۔ حتی کہ یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ دوسرے لوگ اپنی آزادی کے حق کو ہماری مقرر کی ہوئی شرائط کے تحت استعمال کریں۔

یہ ایک سادہ سی بات ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ موجودہ زمانہ کے مسلم دانشور اور مسلم رہنما اس سادہ سی بات کو نہیں جانتے۔ جدید دنیا میں آزادئ فکر اور آزادئ اظہار خیال کے جو مواقع پیدا ہوئے ہیں ان کو ہم اپنے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ مگر جب دوسرے لوگ اس آزادی کو

اپنے نظریہ کے حق میں استعمال کرتے ہیں تو ہمارے دانشور اور رہنما احتجاج شروع کر دیتے ہیں۔ اس قسم کا احتجاج صرف سطحیت ہے نہ کہ کوئی واقعی کام۔

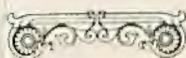
ہمارا اعتماد اپنے نظریہ کی برتر قوت پر ہونا چاہئے نہ کہ دوسروں کی زبان بندی کرنے پر۔ دوسروں کی زبان بندی عملاً ممکن نہیں۔ البتہ ہم اپنے نظریہ کو ان کے دلوں میں داخل کرکے ان پر قابو پانے کی کوشش ضرور کر سکتے ہیں۔

موجودہ زمانہ آزادیٔ فکر اور آزادیٔ اظہار خیال کا زمانہ ہے۔ اس صورت حال نے اسلامی دعوت کے لیے نہایت اعلیٰ موافق میدان پیدا کر دیا ہے۔ اس جدید امکان کو استعمال کرکے اسلام کی اشاعت کا کام بہت بڑے پیمانہ پر کیا جا سکتا ہے۔ مگر عملاً ابھی تک ایسا نہ ہو سکا۔

اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ جب آزادیٔ اظہار کا زمانہ آیا تو قدرتی طور پر وہ ہر ایک کے لیے آیا۔ چنانچہ ہر ایک نے اپنے اپنے خیال کو ظاہر کرنا شروع کر دیا۔ ان میں سے کچھ لوگوں کی باتیں مسلمانوں کے ذوق کے خلاف تھیں۔ مسلمان بس انھیں کے خلاف چیخ و پکار کرنے میں مشغول ہو گئے۔

اس قسم کی چیخ و پکار سراسر بے فائدہ ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ مخالفانہ باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اسلام کی تعلیمات کو پھیلا جائے۔ جدید امکانات کو اسلام کی دعوت کو عمومی بنانے کے لیے استعمال کیا جائے۔

اسلام کے مثبت پیغام کی اشاعت اسلام کے مخالفین کا زیادہ بہتر جواب ہے۔ اسلام کے سورج سے پردہ کا ہٹنا باطل کے اندھیرے کو اپنے آپ ختم کر دینے والا ہے۔



الرسالہ سمپوزیم

پٹنہ کا بنیادی پروگرام الرسالہ سمپوزیم تھا۔ ۲۸ جولائی ۱۹۹۱ کو اس کا انعقاد گورنمنٹ اردو لائبریری کے ہال میں ہوا۔ اس لائبریری میں اجتماعات ہوتے رہتے ہیں۔ مگر لائبریری کے منتظمین کا کہنا تھا کہ اتنا کامیاب اجتماع آج تک یہاں کوئی اور دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس سمپوزیم کی صدارت پٹنہ ہائی کورٹ کے جسٹس این پی سنگھ کرنے والے تھے۔ مگر عین وقت پر سرکاری ضرورت پیش آنے کی وجہ سے وہ رانچی چلے گئے۔ ان کی جگہ شہر کی مشہور شخصیت ڈاکٹر شری نواس نے سمپوزیم کی صدارت کی۔ مسٹر ایم ٹی خان نے کنوینر کی حیثیت سے کارروائی کو چلایا۔

یہ سمپوزیم پٹنہ کے الرسالہ ریڈرس فورم کی طرف سے کیا گیا تھا۔ اس کی روداد کسی قدر تفصیل کے ساتھ درج کی جاتی ہے۔ راقم الحروف کے نزدیک یہ سمپوزیم الرسالہ مشن کی تاریخ کا ایک حصہ ہے، اس لئے اس کا ریکارڈ میں آجانا ضروری ہے۔ دوسرے یہ کہ الرسالہ میں اس کی اشاعت سے دوسرے مقامات کے حلقۂ الرسالہ کو ان شاء اللہ تحریک ملے گی اور وہ اپنے حالات کے لحاظ سے اپنے یہاں بھی اسی نوعیت کی سرگرمیاں جاری کر سکیں گے۔

ماہنامہ الرسالہ ۱۹۷۶ سے برابر نکل رہا ہے۔ اسی کے ساتھ کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ جگہ جگہ اجتماعات بھی کئے جاتے رہے ہیں۔ اس طرح پندرہ سال کی مسلسل محنت کے نتیجہ میں الرسالہ کا مشن پورے ملک میں بحث و گفتگو کا موضوع بن گیا ہے۔ ملک کا بیشتر تعلیم یافتہ طبقہ اس سے واقف ہو چکا ہے۔ الرسالہ کی فکری ضرب لوگوں کے لئے اتنی شدید ہے کہ لوگ مجبور ہو جاتے ہیں کہ اس کو پڑھنے کے بعد اس کے بارہ میں کچھ نہ کچھ ردعمل ظاہر کریں، خواہ مخالفت کی صورت میں یا موافقت کی صورت میں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ الرسالہ مشن کی بہت بڑی کامیابی ہے کہ آج الرسالہ ملک میں "سمپوزیم" کا عنوان بن رہا ہے۔ یہ واقعہ الرسالہ مشن کے دوسرے مرحلہ میں داخل ہونے کی علامت ہے، یعنی وہ مرحلہ جب کہ الرسالہ مشن انفرادی دلچسپی کے موضوع سے اوپر اٹھ کر اجتماعی دلچسپی کے دور میں پہنچ گیا۔ وہ عمومی سطح پر غور و فکر کا عنوان بن گیا۔

سمپوزیم (symposium) اصلاً ایک مرکب یونانی لفظ ہے۔ قدیم یونان میں تعلیم یافتہ

لوگ فکری مباحثہ (intellectual discussion) کے لئے جمع ہوتے تھے۔ ان کے مذاق کے مطابق ، ایسی مجلسوں میں تفریحی پروگرام بھی رکھے جاتے تھے۔ اس کو وہ لوگ سمپوزن (sumposion) کہتے تھے۔ یہی لفظ انگریزی میں آکر سمپوزیم بن گیا۔ موجودہ استعمال میں سمپوزیم کا لفظ ایسی کانفرنس کے لئے بولا جاتا ہے جو کسی مخصوص موضوع پر بحث و مذاکرہ کے لئے منعقد کی گئی ہو:

A conference organized for the discussion of some particular subject.

پٹنہ کے الرسالہ سمپوزیم کا عنوان بحث تھا : الرسالہ ایک روشنی ، زندگی کی تعمیر میں الرسالہ کا رول ۔ الرسالہ ریڈرس فورم جس کی طرف سے یہ سمپوزیم منعقد کیا گیا ، اس فورم کے سرپرست (پیٹرن) جسٹس این پی سنگھ ہیں اور مسٹر ایم ٹی خان ، ایم اے اس کے کنوینر ہیں۔

سمپوزیم کا مقرر وقت صبح دس بجے تھا۔ مگر عملاً وہ ساڑھے دس بجے شروع ہو سکا۔ کنوینر مسٹر ایم ٹی خان مائک پر کھڑے ہوئے تو سب سے پہلے انھوں نے کہا کہ آدھ گھنٹے کی یہ تاخیر الرسالہ مشن کے اصول کے خلاف ہے۔ اس کا ہم اعتراف کرتے ہیں۔ اور آپ سے اس کوتاہی کی معافی چاہتے ہیں۔ اس کے بعد کنوینر نے کہا کہ کچھ دیر بعد یہاں لوگوں کے مقالات پڑھے جائیں گے اور لوگوں کے تاثرات آپ کے سامنے آئیں گے۔ اس سلسلہ میں چند ضروری باتیں میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ الرسالہ مشن کو سمجھنے کے لئے چار خاص شرطیں (conditions) ہیں۔ آپ براہ کرم اپنے اظہار خیال میں ان کو ملحوظ رکھیں۔

۱۔ الرسالہ کے پیغام کو اس کے صحیح تناظر (perspective) میں لینے کے لئے غیر متاثر ذہن ہونا ضروری ہے۔ اگر ہم پیشگی تاثرات کے ساتھ الرسالہ مشن کو دیکھیں تو الرسالہ کے صفحات میں ہم اپنے آپ کو پڑھیں گے ، ہم الرسالہ کو نہیں پڑھ سکیں گے۔

۲۔ الرسالہ مشن کو سمجھنے کے لئے وہ انسان درکار ہے جو ڈبل اسٹینڈرڈ پالیسی پر راضی نہ ہو۔ یعنی ذاتی زندگی میں ایک طریقہ پر عمل کرنا اور اجتماعی امور میں دوسرے طریقہ کی وکالت کرنا۔ انھوں نے کہا کہ دہراپن (duality) کے ساتھ آپ واقعیت (actuality) کو نہیں سمجھ سکتے۔

۳۔ تیسری چیز یہ کہ الرسالہ مشن کو سمجھنے کے لئے تقلیدی ذہن کے بجائے غیر تقلیدی ذہن ہونا ضروری ہے۔ تقلید پر مبنی (Tradition-based) سوچ رکھنے والا آدمی تعقل پر مبنی (Reason-based) پیغام کو سمجھنے سے عاجز رہتا ہے۔

۴۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ آپ الرسالہ کے پیغام کو اس کے جامع انداز (integrated way) میں لیں، آپ اس کو متفرق انداز (segregated way) میں نہ لیں۔ کسی بھی پیغام کو اس کے کامل ڈھانچہ ہی میں رکھ کر سمجھا جا سکتا ہے نہ کہ منقسم ڈھانچہ میں۔

اس کے بعد کنوینر نے کہا کہ ہر اصول کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ جس طرح اصول مطلوب ہوتا ہے اسی طرح اس کے تقاضے بھی لازمی طور پر مطلوب ہوتے ہیں۔ تقاضوں کو چھوڑنے کے بعد اصول بے معنی ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اپنے حق (right) کو پانے کے لئے تحمل (restraint) کا اہتمام ضروری ہے۔ آدمی کو حق ہے کہ وہ اپنی چیز کو حاصل کرے مگر حاصل کرنے کی جدوجہد کے دوران تحمل کے اصول کو پکڑے رہنا ضروری ہوگا۔ ورنہ حق دار ہونے کے باوجود آدمی اپنے حق کو پانے سے محروم رہے گا۔

اس تمہیدی تقریر کے بعد لوگوں کے پیغامات پڑھ کر سنائے گئے۔ سب سے پہلے جسٹس این پی سنگھ کا پیغام پڑھا گیا۔ وہ سمپوزیم میں بحیثیت صدر شریک ہونے والے تھے مگر اچانک سرکاری ضرورت پیش آنے کی وجہ سے ان کو رانچی جانا پڑا۔ چنانچہ ڈاکٹر شری نواس نے سمپوزیم کی صدارت کی۔ جسٹس سنگھ نے اپنا تحریری پیغام بھیج دیا تھا۔ ان کے پیغام کا ایک حصہ یہ تھا:

> A serious reader of *Al-Risala* can take a great benefit from Maulana's manifestations by becoming quick in precision, broad in vision and fresh in approach.

اس کے علاوہ اور بھی کئی صاحبان کے پیغامات پڑھے گئے۔ انھوں نے اپنے پیغام میں یہ کہا تھا کہ وہ الرسالہ کے قاری ہیں۔ اور اس کے پیغام سے اتفاق رکھتے ہیں۔ یہی قوم اور ملک کی ترقی کا راستہ ہے۔ ان حضرات کے نام یہ ہیں:

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، مارواڑی کالج، بھاگل پور

محمد مصباح الزماں، پرنسپل ایم اے اے ہائی اسکول، پٹنہ

بدرالدین احمد ، اکاؤنٹ افسر ، کنارا بینک ، پٹنہ
محمد شفیق ، شیخ پورہ ، مونگیر
ڈاکٹر عبدالصمد ، پٹنہ

پیغام سنانے کے بعد مقالات پڑھنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ ان مقالات میں الرسالہ کے بارے میں اپنے اپنے تاثرات کو بیان کیا گیا تھا۔ اور یہ بتایا گیا تھا کہ موجودہ ملکی اور بین اقوامی حالات میں اس کے پیغام کی کیا اہمیت ہے۔ یہاں ان مقالات کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

مسٹر ایم کے سنہا ، سابق انسپکٹر جنرل آف پولیس ، بہار نے اپنا مقالہ انگریزی میں پڑھا۔ اس میں انھوں نے دوسری باتوں کے علاوہ لکھا کہ آج ہمارے پاس انڈیا ہے۔ انڈین ہیں ، مگر انڈین نس (Indianness) نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ الرسالہ ملک میں انڈین نس پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ان کے مقالہ کا ایک جملہ یہ ہے :

> Al-Risala gives a correct lead to this vexed (communal) problem which is possibly due to politics becoming more and more complicated in recent times.

دوسرا مقالہ جناب مصطفیٰ کمال صدیقی (اورنٹیل بینک آف کامرس) کا تھا۔ یہ مقالہ اردو میں تھا۔ انھوں نے اپنے تفصیلی تاثرات بتاتے ہوئے کہا کہ اگر مجھ سے الرسالہ کی ڈیفینیشن (تعریف) پوچھی جائے تو میں کہوں گا کہ الرسالہ ایک ایسا مشن ہے جو جاگے ہوئے لوگوں کو جگانے کا کام کر رہا ہے۔ سوئے ہوئے لوگوں کو جگانا آسان ہوتا ہے۔ مگر جاگے ہوئے لوگوں کو جگانا انتہائی حد تک مشکل ہے۔

اس کے بعد مس الشومترا چودھری (ایم اے انگلش ، پٹنہ یونیورسٹی) نے اپنا انگریزی پیپر پڑھا۔ انھوں نے کہا کہ میں الرسالہ انگریزی کی مستقل قاری ہوں۔ مجھے اس کے پیغام سے اتفاق ہے۔ الرسالہ کرکٹ تھنکنگ پیدا کرتا ہے۔ میری تمنا ہے کہ میں سماج کی اصلاح کے لئے الرسالہ کے انداز میں کام کروں۔ ان کے مقالہ کا ایک جزء یہ تھا :

> The publication of *Al-Risala* in Hindi, Urdu and English provides people across the country with ample scope to introduce themselves with reason and rationalism.

اس کے بعد حافظ محمد حفظ الرحمان صاحب (رضا ہائی اسکول ، پٹنہ) نے اپنا اردو مقالہ پیش

کیا۔ انھوں نے اپنی زندگی کے کچھ تجربات بتاتے ہوئے کہا کہ الرسالہ ہم کو اعراض کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ اصول زندگی کی کامیابی کے لئے بے حد اہم ہے۔ اعراض کا مطلب بزدلی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس آدمی کے اندر اعراض کی صفت آجائے وہ سب سے زیادہ بہادر آدمی ہے۔

اس کے بعد پروفیسر ایس شہاب الدین دسنوی اسٹیج پر آئے۔ انھوں نے اپنا مقالہ پڑھا۔ ان کا مقالہ انگریزی میں تھا۔ انھوں نے اپنے مقالہ میں الرسالہ کے نقطۂ نظر سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں کو اپنی تعمیر نو کے لئے اپنا ذہن بدلنا چاہئے:

Muslims should consider changing their own thinking which may lead to building up their own strength and help them in the reconstruction of the *millat*.

ذکیہ مشہدی صاحبہ نے اپنے اردو مقالہ میں کہا کہ مجھے الرسالہ کے پیغام سے پورا اتفاق ہے۔ انھوں نے کہا کہ الرسالہ کے مشن کو آگے بڑھانے کے سلسلہ میں اپنی بساط کے مطابق میں پورا تعاون کرنے کے لئے تیار ہوں۔ یہ قوم و ملک کی بہترین خدمت ہے۔

واصف امام صاحب نے اپنے انگریزی مقالہ میں الرسالہ کے مشن سے مکمل اتفاق کیا۔ انھوں نے کہا کہ الرسالہ کی تاثیر اتنی غیر معمولی ہے کہ کوئی بھی شخص پڑھنے کے بعد اس کو نظر انداز نہیں کر سکتا:

One can like *Al-Risala*, one can dislike *Al-Risala*.
but one cannot ignore *Al-Risala*.

شفیع مشہدی صاحب نے اپنے اردو مقالہ میں کہا کہ الرسالہ اپنی ذات میں ایک آفاقی پیغام بن چکا ہے۔ وہ محض کسی قوم کے لئے نہیں، محض کسی ملک کے لئے نہیں بلکہ تمام انسانیت کے لئے ہے۔

مسٹر اے خان (منیجر، انڈین بینک) نے اپنے انگریزی مقالہ میں الرسالہ کے مشن کی تائید کی اور اس کو مسلمانوں کے لئے صحیح راہ عمل بتایا۔ انھوں نے کہا:

Al-Risala's stand on peaceful co-existence
is essentially a message to Muslims.

محمد رضی احمد صاحب نے اپنے اردو مقالہ میں کہا کہ الرسالہ ایک عظیم تعمیری منصوبہ ہے۔ یہ

بزدلی کا سبق نہیں بلکہ بہادری کی تعلیم ہے۔ یہ بےعملی کا نہیں بلکہ حقیقی عمل کا پیغام ہے۔

ڈاکٹر شری نواس صاحب نے انگریزی میں اپنا مقالہ پیش کیا۔ انھوں نے الرسالہ کے تعمیری پیغام کی پوری حمایت کی۔ انھوں نے واضح لفظوں میں کہا:

Every Hindu must read *Al-Risala* for purity of heart and cleansing of head.

ڈاکٹر ایل اے خان دیگھا نے انگریزی میں اپنا مقالہ پیش کیا۔ انھوں نے کہا کہ الرسالہ صرف ایک میگزین نہیں ہے بلکہ وہ ایک تحریک ہے۔ وہ روح اور دل اور دماغ کے لئے ایک انقلاب ہے:

Al-Risala is not a magazine but a movement, a change and a revolution of soul, mind and heart.

ایس خالد رشید صاحب نے ہندی میں اپنا مقالہ پیش کیا۔ انھوں نے الرسالہ کے پیغام کی حمایت کی اور کہا کہ الرسالہ مانو مولیہ (انسانی قدروں) کے پرچار میں دلوں کو دل سے جوڑنے میں، اور نفرت کو پیار سے بدلنے میں سپھل ہوا ہے۔ اور یہ آج کے حالات میں بہت بڑی بات ہے۔

ڈاکٹر ایس ایف رب نے اپنے اردو مقالہ میں کہا کہ الرسالہ کے مطابق، کسی بھی قوم کی ترقی یا تنزل کا راز اس حقیقت میں چھپا ہوا ہے کہ اس کے افراد کے سوچنے کا انداز کیا ہے۔ آدمی جیسا سوچتا ہے ویسا ہی وہ بن جاتا ہے۔ اس لئے الرسالہ کی کوشش ہے کہ وہ صحیح سوچ والے انسان بنائے۔

ڈاکٹر ڈی ڈی گروور نے انگریزی میں اپنا مقالہ پڑھا۔ انھوں نے کہا کہ الرسالہ کی بیس اگرچہ مذہب ہے مگر وہ ریزن اور عقیدہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے نہ کہ جذبات اور عقیدہ کی طرف۔ انھوں نے کہا:

Al-Risala refers to a path of reason and faith rather than emotion and faith.

یمین ثمر فضل صاحب نے اپنے اردو مقالہ میں کہا کہ الرسالہ عصری تقاضوں کے پیش نظر پوری دردمندی کے ساتھ قوم کے مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ وہ مستقبل کی تعمیر کا پیغام ہے۔

نعمان غنی دیوروی نے اپنے اردو مقالہ میں کہا کہ الرسالہ کی تحریر بڑی جاندار ہوتی ہے۔ مختصر جملوں میں بڑی اچھی اچھی باتیں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ الرسالہ اس قابل ہے کہ اس کو اپنی زندگی کا رہنما بنایا جائے۔

پرنسپل بلبیر سنگھ نے اپنے انگریزی مقالہ میں کہا کہ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ الرسالہ کے ذریعہ جس پیغام کی اشاعت کی جارہی ہے وہ براہ راست قارئین کے دل تک پہنچ رہا ہے:

I have come to the conclusion that the messages conveyed by *Al-Risala* go straight to the heart of the reader.

ڈاکٹر اختر حسین آفتاب نے اپنے اردو مقالہ میں کہا کہ میری نگاہ میں الرسالہ کا شمار اقوال زریں میں ہوتا ہے۔ وہ زندگی کے قیمتی اصولوں کو مختصر الفاظ میں پیش کر رہا ہے۔

ریحانہ خانم صاحبہ نے اپنے اردو مقالہ میں کہا کہ تعمیر حیات کی ساری ضروری باتیں (inputs) الرسالہ میں موجود ہیں۔ وہ بتاتا ہے کہ کامیابی کا راز یہ ہے کہ آدمی اپنے ذاتی خول سے باہر آئے۔ اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی شامل کرے۔

کوثر مظہری صاحب (پٹنہ یونیورسٹی) نے اپنے اردو مقالہ میں دوسری باتوں کے علاوہ کہا کہ الرسالہ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ قرآن و حدیث کی تعلیمات کو عصری اسلوب اور جدید علم کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

ڈاکٹر رام شوبھت پرشاد سنگھ نے اپنے ہندی مقالہ میں کہا کہ الرسالہ ایک وچار اتیجک اور پربھاوکاری پتریکا ہے۔ ہر آدمی کو اسے پڑھنا چاہئے۔

ڈاکٹر عبدالصمد صاحب نے اپنے اردو مقالہ میں کہا کہ الرسالہ تحریر کا جادو ہے۔ ہر دور کی ایک زبان ہوتی ہے اور الرسالہ آج کے دور میں آج کی زبان میں بات کرتا ہے۔ اس کا پیغام وقت کے تقاضے کے عین مطابق ہے۔

یہ پیش کئے گئے مقالات کا ضروری خلاصہ ہے۔ کچھ مقالوں میں تنقیدی باتیں بھی تھیں۔ ان تنقیدوں کی وضاحت مقالات پڑھے جانے کے بعد راقم الحروف کی طرف سے کی گئی۔ ان تنقیدوں کا ذکر آئندہ سوال و جواب کے تحت کیا جا رہا ہے۔

سوال وجواب

مقالات پڑھنے کے بعد "سوال وجواب" کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس میں حق اختلاف (right to dissent) کا پورا لحاظ رکھا گیا۔ بعض مقالات میں کچھ تنقیدی باتیں کہی گئی تھیں۔ نیز سفر کے دوران پٹنہ میں بہت سے لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ انھوں نے بھی مختلف قسم کے سوال یا اعتراض کئے۔ ان سب کا تذکرہ یکجا طور پر یہاں کیا جاتا ہے۔

ایک صاحب نے کہا کہ آپ اپنی صبر واعراض کی پالیسی کے لئے صلح حدیبیہ کی مثال دیتے ہیں۔ حالاں کہ حدیبیہ میں تو جہاد وقتال کی بیعت ہوئی تھی جس کو بیعت الرضوان کہا جاتا ہے۔

میں نے کہا کہ اصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں معاہدۂ امن کی بات چلا رہے تھے۔ اس درمیان میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ مکہ کے لوگوں نے حضرت عثمان بن عفان کو قتل کر دیا ہے۔ اس وقت آپ نے صحابہ سے وہ بیعت لی جس کو بیعت الرضوان کہا جاتا ہے۔ صحابی کہتے ہیں کہ ہم نے آپ سے یہ بیعت موت پر نہیں کی تھی بلکہ اس امر پر کی تھی کہ ہم فرار کی راہ نہیں اختیار کریں گے (لم یبایعنا علی الموت ولکن بایعنا علی ان لا نفرّ ، البدایہ والنہایہ ۴/ ۱۶۸)

اگر اس بیعت کو قتال کے معنی میں لیں تو نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور تمام صحابہ نے اس کے خلاف عمل کیا۔ کیوں کہ وہ جنگ نہ کر کے عمرہ کئے بغیر مدینہ واپس آگئے۔ اصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود تو ساری کوشش معاہدۂ امن کے لئے کر رہے تھے۔ مگر حضرت عثمان کے قتل کی خبر جو غلط تھی، اس سے وقتی طور پر یہ اندازہ ہوا کہ قریش جنگ پر تلے ہوئے ہیں۔ اس لئے آپ نے صحابہ سے بیعت لی کہ اگر ہمارے اوپر جنگ تھوپ دی گئی تو ہم پیچھے نہیں ہٹیں گے بلکہ مقابلہ کریں گے۔

اس سے یہ اصول ملتا ہے کہ اگر انتخاب امن اور جنگ کے درمیان ہو تو ہر قیمت پر امن کا انتخاب کیا جائے گا اور جنگ کا طریقہ چھوڑ دیا جائے گا۔ لیکن اگر انتخاب فرار اور جنگ کے درمیان پیش آجائے تو فرار نہیں کیا جائے گا بلکہ متحد ہو کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے گا۔

ایک صاحب نے کہا کہ آپ فرقہ وارانہ فسادات میں ہمیشہ مسلمانوں کو ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ یہ کہاں تک درست ہے۔ میں نے کہا کہ یہ ہماری بات کی صحیح ترجمانی نہیں۔ الرسالہ میں جو بات کہی گئی ہے وہ یہ کہ دوسری غلطی نہ کیجئے (الرسالہ، جنوری ۱۹۹۰، صفحہ ۳۲) اس دنیا میں "پہلی غلطی" بہر حال

کی جاتی ہے۔ ہندستان میں اگر ہندو کرتا ہے تو پاکستان میں مسلمان کرے گا۔ پہلی غلطی اس دنیا میں بہر حال ہونے والی ہے۔ اس کے بعد اگر دوسری غلطی نہ کی جائے تو بات اپنے ابتدائی مرحلہ میں ختم ہو جاتی ہے۔ اور اگر بے صبر ہو کر دوسری غلطی کر دی جائے تو بات بڑھتی ہے یہاں تک کہ فساد اور ہلاکت کی نوبت آجاتی ہے۔ اس لئے عقلمند وہ ہے جو پہلی غلطی کو برداشت کرلے۔ اور دوسری غلطی کرنے کی غلطی نہ کرے۔ یہی اس دنیا میں کامیاب زندگی حاصل کرنے کا واحد راز ہے، ہندستان میں بھی اور ہندستان کے باہر بھی۔

ایک صاحب نے کہا کہ آپ کی کتابوں کی قیمت زیادہ ہوتی ہے۔ میں نے کہا کہ کتابوں کی قیمت زیادہ ہوتی نہیں بلکہ زیادہ لگتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ ہمارے یہاں خرید کر پڑھنے کا مزاج نہیں۔ لوگ چاہتے ہیں کہ بس مفت لے کر پڑھ لیں۔ اور جب مفت پڑھنے کا مزاج ہو تو جو بھی قیمت رکھی جائے وہی لوگوں کو زیادہ معلوم ہوگی۔

ایک صاحب نے کہا کہ الرسالہ بیک سیٹ پر بیٹھنے کے لئے کہتا ہے۔ کیا اس سے پوری قوم شکست خوردگی اور پسماندگی کا شکار نہیں ہو جائے گی۔ میں نے کہا کہ "بیک سیٹ" کا لفظ علامتی طور پر صرف وقتی تدبیر کے معنی میں ہے۔ اس کا مطلب ہے ابتدائی مرحلہ میں کم پر راضی ہونا تاکہ زیادہ کے لئے جدوجہد کی جا سکے۔ یہ ہر با مقصد انسان کا طریقہ ہے۔ ہر آدمی جو کسی بڑے مقصد تک پہنچنا چاہتا ہو وہ ابتداءً پہلے زینہ پر قدم جمانے کے لئے اپنے آپ کو راضی کرتا ہے۔ جو آدمی ابتدائی مرحلہ میں پہلے زینہ پر اپنا قدم رکھنے پر راضی نہ ہو وہ کبھی اگلے زینہ پر پہنچنے کی سعادت حاصل نہیں کر سکتا۔ اس قسم کی رضامندی اس دنیا میں وقفۂ تعمیر حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے۔

مثال کے طور پر ایک باپ اگر صرف میٹرک پاس ہو تو اس کو کلرک بننے پر راضی ہونا پڑے گا تاکہ وہ اپنے بیٹے کو اعلیٰ تعلیم دلانے کے قابل ہو سکے۔ ایسا باپ اگر اپنے آپ کو "بیک سیٹ" پر بیٹھنے کے لئے راضی نہ کرے تو وہ اپنے بیٹے کو اگلی سیٹ تک پہنچانے کا خواب پورا نہیں کر سکے گا۔ یہ دراصل تدبیر کار کا مسئلہ ہے نہ کہ ہمیشہ کے لئے پس ماندہ بن جانے کا مسئلہ۔

ایک صاحب نے کہا کہ آپ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ہندوؤں کے جلوس کو اپنے محلہ سے یا مسجد کے سامنے سے گزرنے دیں۔ یہ تو بڑی بے غیرتی کی بات ہے۔ وہ لوگ اشتعال انگیز

الفاظ بولتے ہیں۔ پھر ہم کیسے ان کو اپنے علاقہ سے گزرنے دیں۔

میں نے کہا کہ اصل یہ ہے کہ اس دنیا میں آدمی کے لئے ہمیشہ دو میں سے ایک کا چوائس ہوتا ہے مگر وہ تیسرا چوائس لینا چاہتا ہے جو ممکن نہیں۔ جلوس کے معاملہ میں ہم کو دو میں سے ایک کا چوائس ہے۔ یا تو جلوس کو برداشت کریں یا فساد کو۔ مگر ہم تیسرا چوائس لینا چاہتے ہیں۔ وہ یہ کہ سرے سے جلوس ہی کو نکلنے نہ دیں جو ناممکن ہے۔ اچھی طرح جان لیجئے کہ یہ ہمارے لئے جلوس اور بے جلوس میں انتخاب کا کا معاملہ نہیں ہے۔ بلکہ جلوس اور فساد میں انتخاب کا معاملہ ہے۔ اب آپ سوچ لیجئے کہ دونوں میں سے کون سا آپ کے لئے اہون ہے۔

ایک صاحب نے کہا کہ آپ ہر ایک کے اوپر تنقید کرتے ہیں۔ کیا کوئی ہے جو آپ کے نزدیک صحیح ہو۔ میں نے کہا کہ یہ صحیح اور غلط کا مسئلہ نہیں ہے، یہ آزادی رائے کا مسئلہ ہے۔ اسلام میں ہر شخص کو اظہار رائے کی آزادی دی گئی ہے۔ چنانچہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں تنقید کا عام رواج تھا۔ لوگ سخت ترین الفاظ میں ایک دوسرے پر تنقید کرتے تھے مگر کبھی یہ نہیں کہا گیا کہ تنقید نہ کرو۔ کیوں کہ تنقید کو ختم کرنا تخلیقی فکر کو ختم کرنا ہے۔ اور جس قوم میں تخلیقی فکر کی صلاحیت نہ رہے وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔

اصل یہ ہے کہ یہاں بھی وہی چوائس (انتخاب) کا معاملہ ہے۔ ہمارے لئے صرف دو میں سے ایک کا چوائس ہے۔ تیسرے چوائس کا ہمارے لئے کوئی موقع نہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کے لئے تنقید اور بے تنقیدی میں چوائس ہے۔ حالاں کہ صحیح یہ ہے کہ آپ کے لئے تنقید اور ذہنی موت میں چوائس ہے۔ آپ اگر تنقید کو ختم کر دیں تو اس کے بعد جو چیز آپ کے حصہ میں آئے گی وہ سادہ معنوں میں بے تنقیدی نہیں ہے بلکہ ذہنی موت ہے۔ یعنی جمود اور منافقت۔

ایک صاحب نے کہا کہ الرسالہ میں صرف آپ کے مضامین ہوتے ہیں۔ کسی اور کا مضمون اس میں شائع نہیں ہوتا۔ اس طرح الرسالہ "ون مین شو" بن گیا ہے۔ ایسا کیوں۔

میں نے کہا کہ الرسالہ ایک مشن ہے اور مشن میں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ پھر میں نے مثال دی کہ مولانا یوسف صاحب مرحوم کے زمانہ میں تبلیغ کے ہر جلسہ میں انھیں کی لمبی لمبی تقریر ہوا کرتی تھی۔ مولانا یوسف صاحب کی تقریر کا نام تبلیغی اجتماع تھا۔ مگر کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ تو ون مین شو ہے۔ اصل

یہ ہے کہ جو مشن تقریر کی سطح پر چلایا جائے اس کو لوگ مشن سمجھتے ہیں، اور جو مشن رسالہ اور کتاب کے ذریعہ چلایا جائے اس کو وہ صحافت سمجھتے ہیں۔

اس قسم کا اعتراض کرنے والوں کی مشکل یہ ہے کہ وہ ابھی تک الرسالہ کو صرف ایک میگزین سمجھے ہوئے ہیں۔ انھوں نے ابھی تک اس کو ایک مشن نہیں سمجھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو ایسے اشکالات پیش آرہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی مشن اپنے ابتدائی دور میں ون مین شو ہی ہوتا ہے۔ اگر آپ الرسالہ مشن کو کئی مین شو کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں تو آپ کو اس مشن کے اگلے دور کا انتظار کرنا چاہئے۔

ایک صاحب نے کہا کہ آپ نے اب تک اپنا کوئی عملی پروگرام نہیں بتایا۔ پھر آخر آپ کا مقصد کیا ہے۔ میں نے کہا کہ الرسالہ مشن کا مقصد، ایک لفظ میں ــــــ **اسلامی بیداری** (Islamic awakening) ہے۔ یعنی موجودہ مسلمانوں میں دوبارہ اسلام کی اس اسپرٹ کو زندہ کرنا جو دور اول کے مسلمانوں میں تھی۔ یہی اسلامی اسپرٹ تمام باتوں کا خلاصہ ہے۔ اسلامی اسپرٹ بیدار ہو تو لوگوں میں ایمان کی حرارت پیدا ہو جائے۔ عبادتوں میں جان آجائے۔ اسلامی کردار ابھر آئے۔ لوگ معاملات و مسائل کو اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھنے لگیں اور اسلامی ہدایات کے مطابق ان کے حل کی تدبیر کریں۔ اسلامی دعوت کا جذبہ ان کے اندر ابھر آئے۔

ہماری تشخیص کے مطابق، موجودہ مسلمانوں میں جو اصل چیز کھوئی گئی ہے وہ کوئی ظاہری ڈھانچہ نہیں ہے بلکہ اصل چیز جو ان سے کھوئی گئی ہے وہ اندرونی اسپرٹ ہے۔ دوسری تمام چیزیں جو ان میں مفقود نظر آتی ہیں وہ اسی اصل کے نہ ہونے کا نتیجہ ہیں۔

تعمیر ملت کے سلسلہ میں اس بنیادی کام کی اہمیت ہر ایک کو معلوم ہے۔ مگر کوئی اپنے آپ کو اس کام میں نہیں لگاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے کاموں میں فوراً لیڈری ملتی ہے، جب کہ اس کام میں لیڈری اور مقبولیت کی کشش موجود نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سب سے بڑی قربانی گم نامی کی قربانی ہے۔ یعنی شہرت والے کام کو چھوڑ کر اس کام کو اختیار کرنا جس میں آدمی کو عوامی شہرت نہیں ملتی۔

ایک صاحب نے کہا کہ آپ زیادہ تر رسالہ اور کتاب کے ذریعہ اپنا مشن چلا رہے ہیں۔

آپ نے ابھی تک اپنی کوئی مستقل تنظیم قائم نہیں کی۔ ایسی حالت میں آپ کا مشن آئندہ صرف کتب خانوں میں رہ جائے گا، ان کے باہر اس مشن کا کوئی وجود نہ ہوگا۔

میں نے کہا کہ شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۷۶۲ — ۱۷۰۳) نے صرف کتابیں لکھیں۔ اپنے افکار کی بنیاد پر وہ کوئی عملی تنظیم قائم نہ کر سکے۔ پھر کیا شاہ ولی اللہ کا مشن ختم ہوگیا۔ انھوں نے کہا کہ نہیں۔ وہ شاہ صاحب کے بعد بھی پوری طاقت کے ساتھ زندہ رہا اور آج تک زندہ ہے۔ میں نے کہا کہ پھر آپ کیسے یہ فرض کر رہے ہیں کہ الرسالہ مشن آئندہ ختم ہو جائے گا، صرف اس لئے کہ ہم نے ابھی تک اس کے لئے معروف قسم کی کوئی عملی تنظیم قائم نہیں کی۔

ایک صاحب نے کہا کہ آپ یہ کہتے ہیں کہ اب میں بوڑھا ہوگیا۔ ایسی حالت میں آپ نے اپنے بعد اس مشن کو زندہ رکھنے کا کیا انتظام کیا ہے۔

میں نے کہا کہ کسی مشن کی بقا کا انحصار اس کی اپنی فکری طاقت پر ہوتا ہے نہ کہ کسی خارجی سہارے پر۔ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ابوالکلام آزاد نے دھواں دھار خلافت تحریک اٹھائی۔ مگر وہ ۱۹۲۴ میں ختم ہوگئی جب کہ محمد علی اور ابوالکلام ابھی زندہ تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خلافت تحریک اگرچہ ہندستان میں چل رہی تھی مگر اس کا اصل سرا ترک لیڈروں کے ہاتھ میں تھا۔

اس مثال سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشن اگر اندرونی طاقت سے محروم ہو تو وہ بانی کی موجودگی میں ختم ہو سکتا ہے۔ اور اگر مشن خود جاندار ہے تو وہ بانی کے بعد بھی زندہ اور قائم رہے گا۔

میں نے کہا کہ غور کیجئے کہ الرسالہ مشن کیا ہے۔ یہ مشن مسلمانوں کے لئے اسلام کو ان کی تازہ دریافت (rediscovery) بنانا چاہتا ہے۔ اس کی اساس داخل پر ہے نہ کہ خارج پر۔ اگر ہم اس میں کامیاب ہو جائیں کہ کچھ صاحب صلاحیت افراد کے لئے اسلام کو ان کی از سر نو دریافت بنا دیں تو خود اسلام ان کے لئے ہر دوسری چیز کا بدل بن جائے گا۔ لوگ جس طرح کسی خارجی سہارے کے زور پر حرکت کرتے ہیں، یہ افراد خود اسلام کے ابدی سرچشمہ سے اپنے آپ کو جوڑ کر مزید شدت کے ساتھ متحرک ہو جائیں گے۔ اور اس طرح یہ مشن خود اپنی اندرونی طاقت کے زور پر زندہ رہے گا۔ ان شاء اللہ۔

ایک صاحب نے کہا کہ آپ باتیں تو بہت اچھی اچھی کرتے ہیں، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے

سامنے کوئی عملی نقشہ نہیں۔ اس سلسلہ میں میں نے بتایا کہ ستمبر ۱۹۸۹ میں میں ایک عرب ملک میں تھا۔ وہاں عرب نوجوانوں کا ایک اجتماع ہوا۔ اس موقع پر میں نے الرسالہ کے پیغام کا تعارف کرایا۔ آخر میں ایک نوجوان نے کہا کہ میں نے آپ کی عربی مطبوعات پڑھی ہیں اور آج آپ کا خطاب بھی سنا۔ مگر میں یہ نہ سمجھ سکا کہ آپ کا پروگرام کیا ہے۔ میں نے کہا کہ ہمارا پروگرام یہ ہے کہ ہم پروگرام بنانے والے انسان بنائیں (برنامجنا هو اعداد المبرمجين)

یہ اللہ کا فضل ہے کہ اب الرسالہ مشن بالفعل اس مرحلہ میں پہنچ رہا ہے۔ اس کے حلقہ میں پروگرام ساز انسان بننا شروع ہو گئے ہیں۔ اس کی ایک مثال خود یہ سمپوزیم ہے۔ الرسالہ میں کبھی یہ تصور نہیں دیا گیا تھا کہ لوگ "الرسالہ سمپوزیم" منعقد کریں۔ مگر پٹنہ کے قارئین نے خود اپنی سوچ سے الرسالہ سمپوزیم کی اسکیم بنائی اور کامیابی کے ساتھ اس کو عملی مرحلہ تک پہنچایا۔

اسی طرح متعدد مقامات پر ہمارے ساتھیوں نے بطور خود الرسالہ اکیڈمی، الرسالہ لائبریری جیسی مختلف تحریکیں چلا رکھی ہیں۔ بعض مقامات پر انھوں نے اسکول اور مدرسہ قائم کیا ہے اور اس کو بنیاد بنا کر الرسالہ مشن کی توسیع واشاعت میں مشغول ہیں۔ اسی طرح باہر کے ملکوں میں کئی مقامات پر اجتماعی انداز میں کام ہو رہا ہے۔ ایک عرب ملک میں خاص اسی مقصد کے لئے دار الرسالۃ الربانیۃ قائم کیا گیا ہے، وغیرہ۔

مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ وقت آرہا ہے جب کہ ملت کے اندر عمومی سطح پر ایک نئی لہر ابھرے۔ لوگ بستی بستی اور شہر شہر میں الرسالہ کی فکر کو پھیلانے کے لئے مختلف تحریکیں اس کے نام سے چلائیں — مثلاً الرسالہ لائبریری، الرسالہ ریڈرس فورم، الرسالہ اکیڈمی، الرسالہ ریسرچ سنٹر، الرسالہ سمپوزیم، الرسالہ کانفرنس، الرسالہ اسٹڈی سرکل، الرسالہ انفارمیشن سروس، الرسالہ اسپتال، الرسالہ اسکول الرسالہ کالج وغیرہ، وغیرہ۔ لوگ جگہ جگہ اس طرح کے کام شروع کریں۔ حتی کہ ان شاء اللہ وہ وقت آئے گا جب کہ کچھ لوگ الرسالہ یونیورسٹی قائم کریں گے، اور ایک نئی تازہ دم ملت بنانے کے لئے اس کو مکمل ادارہ کے طور پر چلائیں گے۔

الرسالہ مشن قوم کی فکری تعمیر کی مہم ہے۔ اس مقصد کے لئے ہمیں ہر ممکن طریقہ اختیار کرنا ہوگا، یہاں تک کہ قوم کے اندر مطلوبہ فکری انقلاب آجائے۔ الرسالہ مشن کی کامیابی یہ ہے کہ وہ ایک عمومی فکری

انقلاب بن جائے۔ اگر وہ عام جماعتوں کی طرح محض ایک تشکیلی ڈھانچہ کے روپ میں زندہ رہا تو کم از کم میں اس کو الرسالہ مشن کی کامیابی نہیں سمجھوں گا۔

ایک صاحب نے فرمایا کہ آپ کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ مسلم دشمن طاقتوں کی طرف سے آپ کو مدد ملتی ہے اور آپ ان کے تعاون سے اپنا مشن چلا رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ جو شخص بھی غور کرے وہ پائے گا کہ یہ ایک بے بنیاد الزام ہے۔ الرسالہ میں سراسر قرآن و حدیث کی دعوت دی جاتی ہے۔ پھر وہ کون مسلم دشمن اور اعداء اسلام ہیں جو ہم کو اس لئے مدد دے رہے ہیں کہ ہم قرآن و حدیث والے دین کو دنیا میں پھیلائیں۔

پھر میں نے کہا کہ الرسالہ مشن خدا کے فضل سے اتنا طاقت ور ہو چکا ہے کہ وہ خود اپنی بنیاد پر قائم ہے۔ اس کو کسی "دشمن دین" کی مدد لینے کی ضرورت نہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے کہ الرسالہ مشن کے حامی اور مؤید ساری دنیا میں بڑی تعداد میں پیدا ہو چکے ہیں۔ اس کا ایک نمونہ آپ نے خود پٹنہ میں آج (۲۸ جولائی ۱۹۹۱) کو دیکھا ہے۔ یہاں سنہا انسٹی ٹیوٹ میں الرسالہ ریڈرس فورم نے شام کو ایک پروگرام رکھا تھا جس میں میری تقریر اسلام اور بقائے باہم کے بارہ میں تھی۔ اتفاقاً ایسا ہوا کہ جس وقت انسٹی ٹیوٹ کے ایک ہال میں میری تقریر تھی، ٹھیک اسی وقت انسٹی ٹیوٹ کے دوسرے ہال میں بہار کے چیف منسٹر مسٹر لالو پرشاد کی تقریر تھی۔

دونوں ہال گراؤنڈ فلور پر ہیں اور پاس پاس ہیں۔ حسب معمول دوسرے ہال میں زبردست دھوم تھی۔ پولیس اور سرکاری لوگ بڑی تعداد میں نظر آرہے تھے۔ اس کے باوجود ہمارے ہال کی تمام سیٹیں بھر گئیں۔ بہت سے لوگوں کو کھڑا ہونا پڑا۔ لمبی تقریر کے دوران مکمل خاموشی تھی۔ آخر وقت تک لوگ نہایت سکون کے ساتھ تقریر کو سنتے رہے۔ سامعین میں تقریباً نصف ہندو اور نصف مسلمان تھے۔ خود سنہا انسٹی ٹیوٹ کے کئی لوگ، مثلاً پروفیسر ڈی ڈی گرو (Dr. D.D. Guru) بھی شروع سے آخر تک اس میں شریک رہے۔

میں نے کہا کہ جس مشن میں یہ طاقت ہو کہ وہ لوگوں کو مجبور کرے کہ وہ چیف منسٹر کے اپنے صدر مقام پر چیف منسٹر کا پروگرام چھوڑ کر اس کا خطاب سننے کے لئے آئیں، اس کو چلانے کے لئے کسی "دشمن دین" کی مدد لینے کی ضرورت نہیں۔ وہ خود اپنے زور پر چل سکتا ہے اور قائم ہو سکتا ہے۔ انشاء اللہ العزیز

۱ کچھ عرب نوجوانوں نے قاہرہ میں دار الرسالۃ الربانیۃ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے۔ اس کا خاص مقصد اسلامی مرکز کے فکر کی عرب دنیا میں اشاعت ہے۔ اس ادارہ نے حال میں "منہج الھدایۃ" کے نام سے ایک عربی کتاب شائع کی ہے۔ یہ کتاب بڑے سائز کے ۱۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں اسلامی مرکز کے دینی نقطۂ نظر کا تعارف تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس میں کل پندرہ ابواب ہیں۔ پہلے باب کا عنوان الرسالۃ القرآنیۃ ہے اور آخری باب کا عنوان البدایۃ الصحیحۃ۔

۲ الجزائر کے ایک باشندہ جو فرانس میں مقیم ہیں اور فرانسیسی زبان بخوبی جانتے ہیں، صدر اسلامی مرکز کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں: مجھے الجزائر میں الرسالہ انگریزی کا شمارہ نمبر ۴۹ بابت مارچ ۱۹۸۸ ملا۔ میں نے اپنے ایک ساتھی سے اس کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کردایا۔ اس کو پڑھ کر میرے اندر دعوت اسلامی کے کام کا حوصلہ پیدا ہو گیا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ آپ اجازت دیں تو الرسالہ کو مستقل طور پر فرانسیسی زبان میں منتقل کر کے یہاں سے شائع کیا جائے۔ اس کے علاوہ آپ کی دوسری کتابوں کا بھی فرانسیسی ترجمہ چھاپا جائے۔ میرے مذکورہ ساتھی اس کام کے لئے بخوشی تیار ہیں۔ مکتوب نگار کا نام و پتہ یہ ہے:

Mr. Laib, A.I.F. Quartier, De Le Breadasque,
Route De Berre. Aix-En-Provence 13090. France.

۳ دین دیال ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (نئی دہلی) آر ایس ایس کے ماتحت ایک بڑا ادارہ ہے۔ اس کا ایک ماہنامہ "منتھن" کے نام سے نکلتا ہے۔ منتھن کے اڈیٹر ڈاکٹر شرما صدر اسلامی مرکز سے ملے تھے اور عید الاضحی کے موضوع پر ایک مضمون کی فرمائش کی تھی۔ ان کو ہندی میں یہ مضمون فراہم کیا گیا جس کو انھوں نے منتھن (جون ۱۹۹۱) میں مکمل طور پر شائع کیا ہے۔ یہ وہی مضمون ہے جو الرسالہ ماہ جولائی میں اسی عنوان سے چھپا ہے۔

۴ محمد ہارون رشید صاحب (مرشد آباد) نے مطلع کیا ہے کہ ایک تعلیم یافتہ بنگالی خاتون نے الرسالہ انگریزی اور دوسری انگریزی مطبوعات کا مطالعہ کیا۔ ان سے وہ گہرے طور پر متاثر ہوئیں۔ وہ الرسالہ

انگریزی کے منتخب مضامین کا ترجمہ بنگلہ زبان میں کر کے انھیں بنگالی اخباروں میں شائع کرا رہی ہیں۔

۵ ایک صاحب خیر مسلمان نے اپنی طرف سے زر تعاون ادا کر کے نصف درجن مدرسوں اور لائبریریوں کے نام الرسالہ جاری کروایا ہے۔ اسی طرح مختلف حضرات جاری کراتے رہتے ہیں، تاہم ابھی اس کام میں بہت زیادہ توسیع اور اضافہ کی ضرورت ہے۔ جو حضرات اس کار خیر میں حصہ لے سکیں وہ دفتر سے خط وکتابت فرمائیں۔

۶ جموں کے علاقہ (پونچھ راجوری) میں الرسالہ مشن سے تعلق رکھنے والے کچھ لوگ اسکول اور مدرسہ قائم کر کے تعلیمی کام کر رہے ہیں۔ اس سے بیک وقت دو فائدے ہیں۔ ایک یہ کہ اس طرح وہ قوم کے افراد کو تعلیم یافتہ بنا رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اسکول اور مدرسہ کے ذریعہ انھیں ایک بیس (base) مل جاتی ہے جو الرسالہ مشن کے لئے مختلف پہلوؤں سے مددگار ہے۔ یہ نہایت مفید تجربہ ہے۔ دوسرے مقامات کے ساتھیوں کو بھی اسی انداز پر کام کرنا چاہئے۔

۷ آل انڈیا ریڈیو، نئی دہلی سے ۲۳ جون ۱۹۹۱ کو صدر اسلامی مرکز کی ایک تقریر نشر کی گئی۔ یہ عید اضحیٰ سے متعلق تھی۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ عید اضحیٰ محض قدیم زمانہ کی ایک رسم نہیں، وہ زندگی کا ایک ابدی پیغام ہے۔

۸ مسلم ایجوکیشنل ٹرسٹ (تھنہ منڈی) اور مسلم انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن (راجوری) ان دونوں تعلیمی اداروں نے "اسلامی تعلیمات" کو باقاعدہ طور پر داخل نصاب کر لیا ہے۔ چھٹی کلاس سے اوپر کلاسوں کے طلبہ کو وہ سبق کے طور پر پڑھائی جاتی ہے۔

۹ ایک ادارہ نے الرسالہ مشن کے خلاف ساڑھے تین سو صفحہ کی ایک کتاب چھاپی ہے۔ قارئین الرسالہ کے ایک تعلیم یافتہ حلقہ نے اس کتاب کو خریدا اور اجتماعی طور پر اس کا مکمل مطالعہ کیا۔ مطالعہ کے بعد انھوں نے پایا کہ یہ بالکل لغو کتاب ہے۔ وہ اس کتاب کو لے کر اسلامی مرکز میں آئے تاکہ اس کو صدر اسلامی مرکز کے سامنے جلائیں۔ صدر اسلامی مرکز نے ان کو منع کیا اور کہا کہ آپ یہ کتاب کسی اور شخص کو دے دیں تاکہ وہ اس کو پڑھ کر اس کی لغویت سے آگاہ ہو سکے۔ کیونکہ یہ کتاب اپنی تردید آپ ہے۔

۱۰ تامل ناڈو کے ایک ادارہ نے " روشن مستقبل " کا ترجمہ تامل زبان میں شائع کیا ہے۔ یہ کتاب چھوٹے سائز پر ہے اور ۸۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ ناشر کا پتہ یہ ہے:

Darul Marashid, B-45 Ahmadia Nagar, Pallapatti 639205

۱۱ امریکہ سے ایک صاحب نے مطلع کیا ہے کہ "یہاں ہم نے ایک صاحب کو تیار کیا ہے جو کہ انشاءاللہ ہر جمعہ اور اتوار کے دن الرسالہ انگلش اور الرسالہ اردو کی ممبر شپ بڑھانے کے لئے کام کریں گے۔ اسی کے ساتھ ان کو مرکز کی چھپی ہوئی سب کتابیں بھی دے دی ہیں۔ ان کو بھی وہ لوگوں کو دکھا کر انھیں لوگوں کے درمیان پھیلائیں گے۔ امید ہے کہ انشاءاللہ اس میں ہمیں کامیابی ہوگی"

۱۲ محمد افسر الدین فاروقی صاحب (رتلام) نے اپنے یہاں کی مسجد میں جمعہ کے دن "پیغمبر انقلاب" پڑھ کر سنانا شروع کیا۔ اس میں ایک سال لگے۔ ایک سال میں پوری کتاب پڑھ کر سنائی۔ اسی طرح بہت سے لوگ جگہ جگہ مختلف کتابیں پڑھ کر سنا رہے ہیں۔ اس طرح یہ پیغام عمومی سطح پر پہنچ رہا ہے۔

۱۳ متعدد مقامات سے یہ خبریں ملی ہیں کہ وہاں الرسالہ مشن کے لوگ اور تبلیغی جماعت کے لوگ مل کر کام کر رہے ہیں۔ یہ بہت اچھی علامت ہے۔ اس طرح دونوں کو ایک دوسرے سے تقویت ملے گی اور دینی احیاء کا کام زیادہ موثر طور پر ہو سکے گا۔ ضرورت ہے کہ اسی انداز پر ہر جگہ کام کیا جائے۔

۱۴ ایک صاحب لکھتے ہیں: میں سائنس کا طالب علم ہوں۔ سائنس نے میرے دل و دماغ سے اسلام کا تصور بالکل نکال دیا تھا۔ مگر کہاں سے وہ زبان لاؤں کہ اس رب جلیل کا شکر ادا کروں جس نے میرے اندر آپ کا لٹریچر پڑھنے کا دھیان پیدا کیا۔ شکر اس پروردگار کا کہ اس کو پڑھنے کے بعد نہ صرف میرے خیالات درست ہو گئے۔ بلکہ اب یہ حال ہے کہ آپ کی کتابیں دوسروں کو پڑھا رہا ہوں (زبیر احمد ختلانی، بارہمولہ)

۱۵ ایک صاحب لکھتے ہیں: میں آپ کے ماہانہ الرسالہ کا زبردست مداح ہوں۔ الرسالہ نے ہزاروں مسلمانوں کو نیا جوش بخشا ہے تاکہ اسلام کا پھول ہر موسم میں اور ہر ماحول میں کھل سکے۔ یہ مقصد الرسالہ نے کافی آگے بڑھایا ہے (محمد شفیع بٹ، سوپور، کشمیر)

ایجنسی الرسالہ

ماہنامہ الرسالہ بیک وقت اردو، ہندی اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔ اردو الرسالہ کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ ہندی اور انگریزی الرسالہ کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہونچایا جائے۔ الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہونچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہونچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔

الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملت کی ذہنی تعمیر میں حصہ لینا ہے جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (ہندی اور انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کارِ نبوت ہے اور ملت کے اوپر سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ایجنسی کی صورتیں

۱۔ الرسالہ (اردو، ہندی یا انگریزی) کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ ۱۰۰ پرچوں سے زیادہ تعداد پر کمیشن ۳۳ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمے ہوتے ہیں۔

۲۔ زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کیے جاتے ہیں۔

۳۔ کم تعداد کی ایجنسی کے لیے ادائیگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں، اور صاحبِ ایجنسی ہر ماہ اس کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلاً تین مہینے) تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینہ میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

زرتعاون الرسالہ

ہندستان کے لیے		بیرونی ممالک کے لیے	(ہوائی ڈاک)	(بحری ڈاک)
ایک سال	۶۰ روپیہ	ایک سال	۲۵ ڈالر امریکی	۱۰ ڈالر امریکی
دو سال	۱۱۰ روپیہ	دو سال	۴۰ 〃 〃	۱۸ 〃 〃
تین سال	۱۵۰ روپیہ	تین سال	۵۵ 〃 〃	۲۵ 〃 〃
پانچ سال	۲۴۰ روپیہ	پانچ سال	۸۵ 〃 〃	۴۰ 〃 〃
خصوصی تعاون (سالانہ)	۲۰۰ روپیہ	خصوصی تعاون (سالانہ)	۱۰۰ 〃	— —

ڈاکٹر ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلیشر مسئول نے نائس پرنٹنگ پریس دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ سی۔۲۹ نظام الدین ویسٹ نئی دہلی سے شائع کیا۔

بمبئی میں

مولانا وحید الدین خان صاحب، صدر اسلامی مرکز کا پروگرام

۷ نومبر ۱۹۹۱ بمبئی میں آمد، قیام برمکان ڈاکٹر عبد الکریم نائیک صاحب
روزری ہاؤس چوتھی منزل، گن پاوڈر روڈ، مجگاؤں، بمبئی۔ فون: ۸۵۱۰۵۹۲ / ۸۶۶۹۶۰۱

۸ نومبر " " نماز جمعہ کے بعد جامع مسجد باندرہ میں خطاب۔ موضوع: نماز کی حقیقت
شام ۳½ بجے، آل انڈیا ریڈیو بمبئی میں تقریر کی ریکارڈنگ۔ موضوع: قومی یک جہتی
شام ۷ بجے، سینٹ میری ہال، مجگاؤں میں خطاب۔ موضوع: الرسالہ مشن کیا ہے

۹ نومبر " " ۱۰ بجے صبح، مدرسہ اصلاح البنات اور گریجویٹ ویمنس ایسوسی ایشن۔ موضوع:
عورت کا مقام اسلام میں، ۱۲ بجے دن، صحافی حضرات سے بات چیت
(برمکان ڈاکٹر عبد الکریم نائیک صاحب)
۲½ بجے دن، انڈو عرب سوسائٹی میں خطاب۔ موضوع: اسلامی دعوت کے جدید امکانات
۵½ بجے شام، اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن۔ موضوع: اسلام اور امن عالم

۱۰ نومبر " " ۱۱ بجے دن، رام کرشنا موومنٹ کے دفتر میں خطاب۔ موضوع: اسلامی اخلاقیات
۳½ بجے شام، کلیریٹی کے دفتر میں خطاب۔ موضوع: مستقبل کی تعمیر
۶ بجے شام، محبوب اسٹوڈیو میں خطاب۔ موضوع: اسلام کا عقیدۂ آخرت

کنوینر: محمد ہارون ہوزری والا، محمد افضل لادی والا۔
فون نمبر (آفس) ۳۲۲۲۵۶ (گھر) ۸۵۱۵۴۱۲

RNI 28822/76 □ November 1991 No. 180 □ Rs. 5

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

تذکیر القرآن جلد اول	Rs 150/-
" " جلد دوم	150/-
اللہ اکبر	40/-
پیغمبر انقلاب	35/-
مذہب اور جدید چیلنج	40/-
عظمت قرآن	25/-
دین کامل	45/-
الاسلام	35/-
ظہور اسلام	35/-
اسلامی زندگی	25/-
احیاء اسلام	20/-
راز حیات (مجلد)	55/-
• صراط مستقیم	35/-
خاتون اسلام	40/-
سوشلزم اور اسلام	35/-
اسلام اور عصر حاضر	25/-
حقیقت حج	30/-
اسلامی تعلیمات	25/-
اسلام دور جدید کا خالق	20/-
رشدیات	
تعمیر کی طرف	8/-
راہ عمل	25/-
تبلیغی تحریک	20/-
میوات کا سفر	30/-
اقوال حکمت	20/-
تعبیر کی غلطی	45/-

دین کی سیاسی تعبیر	15/-
دین کیا ہے	4/-
قرآن کا مطلوب انسان	10/-
تجدید دین	15/-
اسلام دین فطرت	5/-
تعمیر ملت	5/-
تاریخ کا سبق	5/-
مذہب اور سائنس	
عقلیات اسلام	30/-
فسادات کا مسئلہ	4/-
انسان اپنے آپ کو پہچان	4/-
تعارف اسلام	4/-
اسلام پندرھویں صدی میں	4/-
راہیں بند نہیں	5/-
ایمانی طاقت	5/-
اتحاد ملت	5/-
سبق آموز واقعات	5/-
زلزلۂ قیامت	7/-
حقیقت کی تلاش	5/-
پیغمبر اسلام	4/-
آخری سفر	5/-
اسلامی دعوت	5/-
خدا اور انسان	5/-
حل یہاں ہے	8/-
سچا راستہ	4/-
دینی تعلیم	5/-

حیات طیبہ	5/-
باغ جنت	5/-
نار جہنم	5/-

الرسالہ کیسٹ

نمبر۱ ایمان	25/-
نمبر۲ جدید امکانات	25/-
نمبر۳ اسلامی اخلاق	25/-
نمبر۴ اتحاد	25/-
نمبر۵ تعمیر ملت	25/-
نمبر۶ سنت رسولؐ	25/-
نمبر۷ میدان عمل	25/-
نمبر۸ پیغمبرانہ رہنمائی	25/-
الرسالہ مجلد فی جلد	75/-

God Arises	Rs 60/-
Muhammad The Prophet of Revolution	65/-
Religion and Science	30/-
Tabligh Movement	20/-
The Way to Find God	5/-
The Teachings of Islam	6/-
The Good Life	6/-
The Garden of Paradise	6/-
The Fire of Hell	6/-
Muhammad The Ideal Character	5/-
Man Know Thyself!	5/-
इन्सान! अपने आपको पहचान	3/-
सच्चाई की तलाश	5/-
पैग़म्बर-इस्लाम	3/-

Delhi Postal Regd No. U(SE)243 U(SE)12/86

مکتبہ الرسالہ سی ۲۹ نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳